اسلام

مغرب اور پاکستان

مؤلفہ: مریم خنساء

دار الکتب السلفیۃ ۰ لاہور

اسلام

مغرب اور پاکستان

مؤلفہ

مَریَمْ خنْساء

ناشر

دار الکتب السلفیۃ ○ شیش محل روڈ لاہور

Ph.: 0092-042-7237184 - 7230271- 7008768

فہرست

سخنِ وضاحت

زیرِ نظر مجموعہ مصنفہ نے کسی مربت کتاب کی صورت نہیں لکھا تھا بلکہ یہ مختلف اوقات میں لکھے گئے مضامین ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مصنفہ کی باغیرت افتادِ طبع اسے کسی غیر اسلامی فعل، جملے یا غیر مسلم کے طرزِ عمل پر اس قدر بے قرار کر دیتی کہ اسے قلم تھامنا پڑتا۔ اس کے ایسے ہی بہت سے سیاسی اور معاشرتی موضوعات سے متعلق مضامین اور انشائیے ''لاشوں پر رقص'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں گو اس مجموعے میں بھی سیاسی مضامین شامل ہیں لیکن وہ مختصر ہیں جب کہ زیرِ نظر مجموعے میں اس کے بعض طویل اور ایسے اہم سیاسی موضوعات پر مضامین شامل ہیں جن کا تعلق اسلام، پاکستان اور مغرب سے ہے اس مجموعے کا نام مصنفہ کی دینی خالہ فرزانہ چیمہ صاحبہ نے تجویز کیا ہے اور ترتیب وتسوید میں بھی ان کا تعاون شامل رہا ہے، بارک اللہ فی مالہا واولادھا۔

ان میں سے پہلی تحریر ''پاکستان ایک تجربہ گاہ ہے'' جو مصنفہ نے ۱۹۹۴ء میں تقریباً چودہ پندرہ سال کی عمر میں لکھی اور سب سے آخری تحریر ''جہاد سنام العمل'' مارچ ۱۹۹۹ء میں لکھی۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اسے مصنفہ، مرتبہ، ناشر، اور دیگر معاونین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

ام عبد منیب

رمضان ۱۴۲۷ھ

جہاد، اعمالِ حسنہ کی معراج

زندگی کیا ہے؟ ایک جہدِ مسلسل ......تلاشِ معاش کے لئے......اقتدار و اختیار کے لیئے......اہل وعیال کے لئے، مال ومنال کے لئے اور اس جہدِ مسلسل کو قبلہ رو کر دینے کا نام جہاد ہے۔

☆ جہاد! جو امن وسلامتی کی ضمانت ہے......عزت کی علامت ہے......خوشی کے حصول کا ذریعہ ہے۔محبوبِ الٰہی بننے کا وسیلہ ہے......فتنوں کا بیخ کن ہے...... جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔(مسند احمد)......غم وحزن سے نجات دلانے والا ہے۔(مسند احمد)......دین کو تا قیامت قائم رکھنے والا ہے۔(مسلم) جس کے ساتھ مسلمانوں کا رزق وابستہ ہے۔(بخاری)......اجروثواب میں یکتا ہے۔(ترمذی)

☆ جہاد! جس کی نیت سے چلائے جانے والے تیر یا گولی کا ثواب ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔(ابنِ ماجہ)......جس کی نیت سے کیا جانے والا ایک صبح یا شام کا سفر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(مسلم)......جس کی راہ کا گرد وغبار جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔جس میں مدد کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہے۔(ترمذی)

☆ جہاد! ایک ایسی جہدِ مسلسل ہے جو دوسری ہر ''جہد'' سے افضل ہے۔(مسلم)

☆ جہاد! اسلام کی کوہان کی بلندی ہے۔اطاعتِ الٰہی کی معراج ہے۔اعمالِ حسنہ کا عروج

ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا۔ ''اعمال میں افضلیت کسے حاصل ہے؟۔''

فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کو۔''

پھر سوال ہوا۔ ''اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟''

ارشاد فرمایا: جہاد جو ''سنام العمل '' ہے۔یعنی تمام اعمالِ حسنہ کی کوہان یعنی معراج ہے۔'' (ترمذی)

واقعی جہاد ایمان کے تمام شعبوں کا عروج ہے۔

☆ جہاد! اسلام کی معراج ہے۔ ''اسلام'' نام ہے۔امن وسلامتی کا اور جہاد دنیا بھر کے افراد کو ظلم کے خون آشام پنجوں سے نجات دلا کر فضائے عالم پر امن وسکون کے سائبان تن دیتا ہے۔

☆ جہاد! ایمان کی معراج ہے۔ایمان کیا ہے؟ اللہ پر پختہ یقین......اسلام کا اعلیٰ معیار جب مشکل ترین حکم کے سامنے بھی سرِ تسلیم فوراً جھک جائے، عقل تاویلیں پیش کرے نہ جذبات واحساسات رکاوٹ بنیں اور جہاد اسی قلبی کیفیت کی معراج ہے۔

مجاہد اپنی انمول جان اللہ کی راہ میں ہتھیلی پر رکھ کر نکلتا ہے۔دنیا والوں کے اصول ''جان ہے تو جہان ہے'' اس کی مجاہدانہ ٹھوکر سے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔وہ ثابت کر دیتا ہے کہ ''جان'' نہیں ''ایمان'' قیمتی ہے۔

جذبوں کی صداقت زندہ ہے، ایماں کی حرارت زندہ ہے
جب تک ہے سلامت سر میرا سودائے شہادت زندہ ہے

☆ جہاد معراجِ حنفیت ہے.....حنفیت .....سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی طرف یکسُو ہو جانے کا نام ہے۔

مجاہد کی زندگی دنیا کی تمام آلائشوں، متاعِ الغرور کی صداؤں سے اپنے گوش اور ہوش کو بچاتی ہوئی حنفیت کی راہ، راہِ جہاد پر گامزن ہوتی ہے۔

☆ جہاد معراجِ عبدیت ہے، عبدیت ...... سرتاپا...... اوّل تا آخر...... اللہ کی غلامی کا نام۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔(الانعام:١٦٢)

''بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔

☆ جہاد! اس عملی دعوت کا عملی ثبوت ہے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لئے ہوں غازی

☆ جہاد! معراج توحید ہے...... توحید...... تنہا ذاتِ رب العالمین کی الوہیت اور ربوبیت کا عملی اقرار...... ہر چڑھتے سورج کو پوجنے سے انکار اور ہر حال میں اللہ کی حکمرانی تسلیم کرنے کا عملی اظہار ہے۔

☆ جہاد! شرکِ نفس کے بُت توڑتا ہے...... جاہلی وطن پرستی کے بُت پر ضرب لگاتا ہے...... رسم ورواج کے بتوں کو فنا کے گھاٹ اتارتا ہے...... جاہلی خواہشات اور جاہلی عقائد کے بت پاش پاش کر دیتا ہے۔

مجاہد اپنی اکلوتی زندگی قربان کر کے دنیا پر آشکار کر دیتا ہے کہ اس کا الٰہ صرف اور صرف ''ایک'' ہے۔

مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ

☆ جہاد! ایمان بالرسالت کی معراج ہے۔ ایمان بالرسالت نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا

اقرار ......سنن مطہرہ کا اتباع......مجاھد مختلف جنگی میدانوں میں غزوات بدر ،احد ، حنین،تبوک اور خندق کی یادیں تازہ کردیتا ہے۔

نحن الذین بایعوا محمدا

علی الجهاد ما بقینا ابدا

''ہم نے نبی محمد ﷺ سے اپنی زندگی کے باقی رہنے تک جہاد کرنے کی بیعت کی ہے۔''

☆ جہاد!......شہادتِ حق معراج ہے......اقوامِ عالم پر اتمامِ محبت کی آخری صورت...... كُونُوا قَوّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کو اُٹھ کھڑے ہو) کی عملی تفسیر......انسان کے پاس مادی چیزوں میں زندگی سے زیادہ اہم ہے کیا؟ فریضۂ شہادتِ حق کی ادائیگی کے لئے مجاہد اسے بھی قربان کردیتا ہے۔

جئیں تو غازی جو کٹ تو شہید سحر

ہمیں قبول نہیں کوئی درمیاں کی بات

☆ جہاد! معراجِ شہادت ہے۔شہادت کیا ہے؟ اللہ کی ربوبیت و الوہیت اور رسالتِ نبوی کی گواہی......اسی شہادت کی معراج میدان جہاد میں شہادت ہے۔شہید اپنے خون سے ایسی شہادت (گواہی) رقم کرتا ہے۔جس کا رنگ ہمیشہ کے لئے کائنات کی فضاؤں میں ،فرشتوں کے نوشتوں میں،تاریخ کے اوراق میں اورلوحِ محفوظ پر ثبت ہوجاتا ہے۔

شہید ہو کر نکھر چکا ہوں ،بشکلِ خوشبو بکھر چکا ہوں

میں کافروں کے دلوں میں تیرِ قضاء کی صورت میں اتر چکا ہوں

میر الہو اب شفق کی صورت ہر اک افق پر چمک رہا ہے

☆ جہاد! معراجِ تذکیر ہے......تذکیر......مسلمانوں کو ان کے بھولے ہوئے اسباق کی

یاد دہانی ''جہادی زندگی'' اسلامی معاشرے کے تمام بھولے ہوئے خدو خال تازہ کر دیتی ہے۔یہ اسلامی **تصورِحیات** ''کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل ۔ (دنیا میں یوں رہو جیسے کوئی پردیسی ہو یا مسافر) کا غیر محسوس طور پر شعور بخشتی ہے......اللہ پر اعتماد مضبوط کرتی ہے......پُرخطر راہیں ہموار کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔

یہ ''فرقہ واریت'' کی آلائشوں سے پاک ''محورِتذکیر'' ہے۔ہر مسلمان اس نام سے روحانی وابستگی محسوس کرتا ہے۔اللہ کے دین کی سرفرازی اس کا مقصد ہے۔لہٰذا اس راہ کے ہر راہرد کے دل میں دین کی واقفیت اور اس پر عمل پیرا ہونے کا شوق خود بخود کروٹ لینے لگتا ہے۔

☆ جہاد! معراجِ تبلیغ بھی ہے......**تبلیغ** ......یعنی غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت ......غیر مسلموں کی جنگ زندگی، وطن پرستی یا نسل پرستی کے لئے.... جب کہ مجاہدین کی جنگ، دین الٰہی کی سربلندی کے لئے ہوتی ہے۔غیر مسلموں کے لئے جنگ کا یہ مقصد فہم سے بالا ہوتا ہے۔اسے سمجھنے کی کوشش ہی بعض اوقات ان کے اسلام سے متعارف ہونے کا سبب بنتی ہے۔

مجاہدین اپنی جان دے کر کفار پر نیا رخ آشکار کرتے ہیں کہ ''مقصدِ زندگی'' ''بندگیِ رب'' کی اہمیت زندگی سے زیادہ ہے۔شہید کے ساتھ پیش آمدہ واقعات، مجاہدین کی من جانب اللہ امداد اور بے خوفی غیر مسلموں کو تبلیغ کا ایک منفرد انداز ہے۔جس کے اثرات غیر مسلم فوجیوں کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

☆ جہاد! عبادت کی بھی معراج ہے۔یہ ہر عبادت کا حسنِ عروج اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔یہ صلوٰۃ کی معراج ہے، صلوٰۃ ......دن میں پانچ بار اللہ کے حضور حاضری...... خشوع و خضوع ......وقت پر ادائیگی ......اور جہاد......اللہ کے حضور حاضری کی اسی کیفیت کی

معراج ہے، جس میں مسلمان تن من دھن سب کچھ اللہ کے حضور حاضر کر دیتا ہے۔ خشوع و خضوع کی کیفیت اس قدر غالب آ جاتی ہے کہ اس کے سامنے زندگی بھی ہیچ نظر آتی ہے۔ فریضۂ جہاد بھی صلوٰۃ کی طرح وقت پر ادائیگی مانگتا ہے۔

صلوٰۃ...... اذان کی الٰہی پکار پر دنیا کے کام چھوڑ کر لبیک کہنے کا نام ہے، اور جہاد فریضۂ قتال کی پکار پر دنیا کو چھوڑ کر لبیک کہنے کا نام ہے۔

نماز میں سجدہ کرتے ہوئے مومن اپنے جسم کا معزز ترین حصہ پیشانی اللہ کے سامنے زمین پر رکھ کر اپنی عاجزی اور بندگی کا اظہار کرتا ہے جب کہ شہید کا خاک و خون میں لتھڑا ہوا سر بھی اسی سجدے کی معراج ہے۔

دل پیش خدا کچھ اور جھکا، سر پیشِ بتاں کچھ اور اٹھا
تھا ایک انوکھا سجدہ جو عاشق نے کنارِ دار کیا

☆ جہاد! معراجِ صیام بھی ہے۔ روزہ...... زبان و بیان، کردار و اطوار پر اخلاقِ حسنہ کی حد بندیاں قائم کر لینے اور وقتِ مقررہ تک کے لئے خورد و نوش ترک کرنے کا نام ہے۔

جہاد روزے کی معراج بھی ہے جس کا کھانا پینا اس فرض کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ پُرتکلف کھانوں کا تصور ہی میدانِ جہاد میں ناممکن ہے۔ بھنے ہوئے چنے اور کھجوریں...... یہ ہے مجاہدین کی خوراک۔ ان کی بھی مقدار محدود ہونے کی صورت میں محدود ہونا پڑتا ہے۔ بسا اوقات صرف ایک ایک کھجور اور آدھی مٹھی چنے۔

☆ جہاد! کردار و اطوار پر بھی کڑی پابندیاں عائد کر دیتا ہے۔ بے لگام انتقام...... بے لگام غیظ و غضب کو جکڑ دیتا ہے...... مخالفین کی بستیاں اجاڑنے سے روکتا ہے...... درخت پامال کرنے کی مخالفت کرتا ہے...... قتلِ عام کی اجازت نہیں دیتا...... عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کے تحفظ کا حکم دیتا ہے...... خون کے پیاسوں کے مقابلے میں اپنے جذبات پر

ضبط ''مقصدِ صوم'' کی معراج نہیں تو اور کیا ہے؟

☆ جہاد حج کی بھی معراج ہے۔ حج کیا ہے؟ دور دراز کے سفر سے اللہ کے گھر پہنچ کر لبیک کہتے ہوئے اپنی حضوری کا عاجزانہ اعتراف ...... اپنے گناہوں کے داغ استغفار کے آنسوؤں سے دھونے کی کوشش ...... زادِ راہ پر رقم خرچ کرنا ...... پُرتکلف لباس چھوڑ کر سادہ لباس اختیار کرنا ...... جسمانی زحمت برداشت کرنا ...... اللہ کے حکم کے مطابق بعض حلال امور کو اپنے اوپر حرام کر لینا ...... پانچ دن مخصوص انداز میں گزارنا ...... اپنی مرضی اللہ کی مرضی کے تابع کر دینا اور رمی جمار کرتے ہوئے شیطانوں پر زندگی اجیرن کر دینے ...... ان سے اپنی تاحیات دشمنی کا اعلان۔

جہاد بھی دنیا کے طول وعرض سے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے سفر کر کے پہنچنے کا نام ہے۔ اللہ کی تکبیر بلند کرتے ہوئے دنیا کو اپنی موجودگی کا احساس دلانا ہے۔ جہاد اپنے گناہوں کو خون سے دھوڈالنے کا نام ہے۔ جہاد جہادی ساز وسامان کے لئے حتی المقدور رقم خرچ کرنے کا نام ہے۔ جہاد تکلفات چھوڑ کر سنگلاخ راہیں اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جسمانی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ میدان جہاد میں بے شمار حلال امور سے بھی کنارہ کشی کرنی پڑتی ہے۔ میدانِ جہاد میں اپنی مرضی کے مطابق شب وروز گزارنے کا تصور ہی نہیں۔ دن رات اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے امیر کی مرضی کے مطابق گزارنے پڑتے ہیں۔ سونا جاگنا، کھانا، پینا، کچھ بھی اپنی مرضی پر منحصر نہیں ہوتا۔ حج میں رمی جمار کی صورت بھی صرف اور صرف جہاد ہی ہے۔

☆ جہاد! فریضہ قربانی کی معراج ہے۔ عید قربان ہر سال میں ایک والد کی اللہ کی خاطر اپنے محبوب بیٹے کو قربان کرنے اور بیٹے کے قربان ہونے پر تیار ہو جانے کی یاد دہانی ہے۔ اپنی محبوب ترین چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا سبق ہے اور اولوالعزم باپ اور بیٹے کی

جرأت وشجاعت کا درس ہے۔

قربانی ...... اپنے ہاتھ سے کرنے کا استحباب ...... ہم میں بھی وہی جرأت وشجاعت پیدا کرنے کے لئے ہے۔ ہر سال گلی کوچوں میں جانوروں کا بہتا خون ہمیں " فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ"۔ (محمد:٤) جب کافروں سے تمہارا آمنا سامنا ہو تو ان کی خوب گردنیں مارو ...... کے لئے تیار کرتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی داستانِ شجاعت ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ وقت کی پکار پر بوڑھا باپ اپنے بڑھاپے کا عذر نہیں کر سکتا۔ اسے اپنی آخری عمر میں بھی ملی ہوئی اولاد اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا ابراہیمی حوصلہ اپنانا چاہیے۔

نیز یہ کہ ہر والد کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کے دلوں میں اللہ کی اطاعت اور جذبۂ شہادت کا بیج بچپن سے ہی یوں بودے کہ کم سنی میں بھی بیٹا زبانِ حال سے اپنے اس اسماعیلی عزم کا اظہار کرتا ہو۔

سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۔ (الصافات:١٠٢)

"اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

عیدِ قربان مسلمان بیٹوں کو ہر سال "اسماعیلی ایمان" کی یاد دلاتی ہے کہ وہ حکم الٰہی اور حکمِ پدری کے سامنے اسماعیل علیہ السلام کی طرح سر جھکا دیں۔ گویا ہر سال قربانی دراصل شہادت اور جہاد کے جذبوں میں ہلچل پیدا کرنے اور انہیں تحریک دینے کا سامان ...... اسوۂ ابراہیم و اسماعیل پر عمل پیرا ہونے کا اظہار ہے جس کی معراج جہاد اور شہادت ہے۔

☆ جہاد! معراجِ زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ ...... اسلام کا بنیادی رکن ہے ...... اللہ کے لئے ہر سال

اپنے مال میں سے غرباء و مساکین کا حصہ نکالنا...... جود وسخاوت کا وصف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا......انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ایک ادنیٰ سا رہنما پلیٹ فارم...... جہاد بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی صلاحیتوں اور روزی میں سے دنیا کے ''مستضعفین (کمزوروں) کے لئے حصہ نکالنے کا نام ہے۔

☆ جہاد! ایثار کی معراج ہے......ایثار کیا ہے؟ اللہ کے اپنے الفاظ میں:

''يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ''۔(الحشر:۹)

''(ایثار کرنے والے) محتاجی کی حالت میں بھی دوسرے محتاجوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں''......ایثار کی اس سے بڑی صورت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو پرسکون زندگی مہیا کرنے کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا جائے۔

☆ جہاد! سخاوت کی معراج ہے۔سخاوت کیا ہے؟ اپنے پاس موجود ہر چیز بلا تامل اللہ کی راہ میں دے دینا......سنت کی تعمیل میں اپنی واحد چادر بھی سائل کو دیتے ہوئے نہ ہچکچانا۔

اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دینے کے بعد انسان کے پاس اپنی جان اور زندگی ہی باقی رہ جاتی ہے۔اپنی زندگی کسی دوسرے کو دے دینا مشکل سہی، لیکن اللہ کی پکار ''وَقَاتِلُوْا'' ''جنگ کرو''...... پر مظلوموں، بے کسوں کے لئے اپنی جان بھی نذرِ سخاوت کر دینا سخاوت کی معراج نہیں تو اور کیا ہے؟

☆ جہاد! معراجِ اخوت ہے......محبت، مودت، رحمت اور شفقت کے تانے بانے سے بنی ہوئی اخوت......جس کا منبع '' اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ''۔(الحجرات:۱۰) تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔کا فرمانِ الٰہی ہے۔اس اخوت کا سرچشمہ یہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''مسلمان جسدِ واحد کی مانند ہیں۔اگر جسم کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو گویا سارا جسم تکلیف اور بخار سے بے چین ہو جاتا ہے''۔گویا۔

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں

تو ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

مؤاخات کا یہ تعلق دنیا کے طول و عرض میں ستم کی چکی میں پسنے والے مسلمانوں کے لئے قلبِ مجاہد کو بے قرار کر دیتا ہے اور پھر چشمِ فلک دیکھتی ہے کہ آج بھی وادیٔ کشمیر میں جہاد کا پرچم تھامے عرب بھی نظر آتے ہیں۔ یورپی مسلمان بھی، فلسطینی بھی، پاکستانی بھی، ہندوستانی بھی، رنگ، نسل اور زبان کے امتیاز سے بالا سب کا مطمعِ نظر اخوتِ اسلامی کے تقاضوں کی تکمیل ہے۔

☆ جہاد! معراجِ صداقت بھی ہے۔ کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد قرآن مجید میں مذکورہ وعدہ "اَلَسْتُ" کو سچ ثابت کر دکھانا ہی صداقت کی حقیقی روح ہے۔

نفس کے تمام نشیب و فراز، صبر و استقامت کے بلڈوزر تلے منہدم کر کے حق و صداقت کے صراطِ مستقیم پہ گامزن ہو جانے اور اس کا عملی نفاذ کرنے کا نام جہاد ہے۔

دور کر کے خاکۂ کردار سے مکر و فریب

اس کے چہرے پر صداقت کی زباں لکھتے رہے

☆ جہاد! خلوص کی معراج ہے...... دنیاوی جاہ و حشمت، دنیاوی عیش و آرام، دنیاوی تمناؤں سے خلاصی پا کر "صِبْغَةَ اللّٰهِ" اللہ کے رنگ میں ڈوب کر خالص اور کھرا ہو جانے کا نام جہاد ہے، یہ خلوص اپنی انتہاؤں کو پہنچ کر زندگی کی محبت سے بھی دامن جھٹک کر صرف "حبِ الٰہی" بن کے "عُرْوَةِ الْوُثْقٰى" سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

☆ جہاد! معراجِ وفا ہے۔ اللہ سے وفا...... عقیدے سے وفا...... ایمان سے وفا...... مسلمان معاشرے سے وفا...... مسلمان بہن بھائیوں سے وفا...... غرض وفا ہی وفا...... دنیا کی تمام وفاؤں سے ہر لحاظ سے اعلیٰ وفا...... جس میں انسان کی محبوب ترین چیز زندگی کی

اہمیت کم ہوتی اور وفا کی اہمیت بڑھتی چلی جاتی ہے ۔

ان کے خوں کی سرخیوں سے ابھرے خورشیدِ وفا
نام حق کے جو مجاہد جسم و جاں لکھتے رہے

☆ جہاد! معراجِ حیا بھی ہے۔ حیا جو ایمان کا لازمی جزو ہے۔ (بیہقی) ......سراپا خیر ہے......جس سے تہی دامن معاشرہ امن وسکون کھو بیٹھتا ہے......جس میں زیادتی اور مبالغہ اللہ کو محبوب ہے۔ جہاد اس حیا کی معراج ہے۔ جب اللہ تعالیٰ حکم دے:

"اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ"۔(التوبہ: ٤١)

"ہلکے اور بھاری نکلو اور اپنے مالوں اور نفسوں کے ساتھ جہاد کرو"۔

اور وہ چپکا بیٹھا رہے، ایسا کرنے سے مجاہد کی حیا آڑے آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کہے:

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔(النساء: ٧٨)

"بھلا کیا ہو گیا ہے تم کو کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور ننھے بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے جو یوں دعا مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے اپنے پاس سے حمایتی اور مددگار مقرر کر دے"۔

اور وہ ٹس سے مس نہ ہو۔ مجاہد کی حیا نہیں مانتی۔ اور پھر......دوسری طرف اپنی مسلمان کو بہنوں کی حیا کی چادریں تار تار ہونے کی خبریں سنائی دیں۔ وا معتصما! کی فلک

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں

تو ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

مؤاخات کا یہ تعلق دنیا کے طول و عرض میں ستم کی چکی میں پسنے والے مسلمانوں کے لئے قلبِ مجاہد کو بے قرار کر دیتا ہے اور پھر چشمِ فلک دیکھتی ہے کہ آج بھی وادیِ کشمیر میں جہاد کا پرچم تھامے عرب بھی نظر آتے ہیں۔ یورپی مسلمان بھی، فلسطینی بھی، پاکستانی بھی، ہندوستانی بھی، رنگ، نسل اور زبان کے امتیاز سے بالا سب کا مطمعِ نظر اخوتِ اسلامی کے تقاضوں کی تکمیل ہے۔

☆ جہاد! معراجِ صداقت بھی ہے۔ کلمہِ شہادت پڑھنے کے بعد قرآن مجید میں مذکورہ وعدہ "اَلَسْتُ" کو سچ ثابت کر دکھانا ہی صداقت کی حقیقی روح ہے۔

نفس کے تمام نشیب و فراز، صبر و استقامت کے بلڈوزر تلے منہدم کر کے حق و صداقت کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جانے اور اس کا عملی نفاذ کرنے کا نام جہاد ہے۔

دور کر کے خاکۂ کردار سے مکر و فریب

اس کے چہرے پر صداقت کی زباں لکھتے رہے

☆ جہاد! خلوص کی معراج ہے...... دنیاوی جاہ و حشمت، دنیاوی عیش و آرام، دنیاوی تمناؤں سے خلاصی پا کر "صِبْغَةَ اللّٰهِ" اللہ کے رنگ میں ڈوب کر خالص اور کھرا ہو جانے کا نام جہاد ہے، یہ خلوص اپنی انتہاؤں کو پہنچ کر زندگی کی محبت سے بھی دامن جھٹک کر صرف "حب الٰہی" "عُرْوَةِ الْوُثْقٰی" سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

☆ جہاد! معراجِ وفا ہے۔ اللہ سے وفا...... عقیدے سے وفا...... ایمان سے وفا...... مسلمان معاشرے سے وفا...... مسلمان بہن بھائیوں سے وفا...... غرض وفا ہی وفا...... دنیا کی تمام وفاؤں سے ہر لحاظ سے اعلیٰ وفا...... جس میں انسان کی محبوب ترین چیز زندگی کی

اہمیت کم ہوتی اور وفا کی اہمیت بڑھتی چلی جاتی ہے ۔

ان کے خوں کی سرخیوں سے ابھرے خورشیدِ وفا

نام حق کے جو مجاہد جسم و جاں لکھتے رہے

☆ جہاد! معراجِ حیا بھی ہے۔ حیا جو ایمان کا لازمی جزو ہے۔ (بیہقی) ......سراپا خیر ہے......جس سے تہی دامن معاشرہ امن وسکون کھو بیٹھتا ہے......جس میں زیادتی اور مبالغہ اللہ کو محبوب ہے۔ جہاد اس حیا کی معراج ہے۔ جب اللہ تعالیٰ حکم دے:

"اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ"۔(التوبہ: ٤١)

"ہلکے اور بھاری نکلو اور اپنے مالوں اور نفسوں کے ساتھ جہاد کرو"۔

اور وہ چپکا بیٹھا رہے، ایسا کرنے سے مجاہد کی حیا آڑے آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کہے:

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔(النساء: ٧٨)

"بھلا کیا ہو گیا ہے تم کو کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور ننھے بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے جو یوں دعا مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے اپنے پاس سے حمایتی اور مددگار مقرر کر دے"۔

اور وہ ٹس سے مس نہ ہو۔ مجاہد کی حیا نہیں مانتی۔ اور پھر......دوسری طرف اپنی مسلمان کو بہنوں کی حیا کی چادریں تار تار ہونے کی خبریں سنائی دیں۔ وامعتصما! کی فلک

انسانیت کی معراج ظلم کا ہاتھ آگے بڑھ کر پکڑ لینا ہے، باز آ جائے تو ٹھیک ورنہ اس ہاتھ ہی کو جڑ سے کاٹ ڈالنا ہے۔ جو اپنے ہم جنسوں کی چیخوں اور آہوں میں اپنی مسخ فطرت کی تسکین تلاش کرتا ہے...... جہاد اسی معراجِ انسانیت کا منتہائے اعلیٰ ہے۔

☆ جہاد! روحانیت کی معراج ہے۔ بے مثل روحانیت تسبیحوں، رہبانیت، اور چلہ کشی میں روحانیت تلاش کرنے والوں کو اگر میدانِ جہاد سے واسطہ پڑے تو وہ اپنی اس روحانیت کا مزہ بھول جائیں۔ میدانِ جہاد کی روحانیت تو فرشتوں کی ہم رکابی کا شرف بخشتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔(فصلت: ۳۰)

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر استقامت اختیار کی۔ ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو ہم تمہارے دنیوی زندگی میں بھی رفیق ہیں اور آخرت میں بھی''۔

روحانیت کا یہی وہ تیر بہدف نسخہ ہے جس کی حلاوت ایک بار میدانِ جہاد سے ہو آنے والوں کو شدتِ مرض یا زخموں کے باوجود یہاں ٹکنے نہیں دیتی اور وہ دوبارہ کفار سے دو دو ہاتھ کرنے کو بے تاب ہوتے ہیں۔ میدان جہادِ میں روح کا تعلق عالمِ بالا سے استوار ہو جاتا ہے، روحانیت کی اس سے بڑی معراج کیا ہوگی کہ مجاہدین اپنی شہادت مرگھٹوں میں تلاش کرتے ہیں لیکن موت ان سے دور بھاگتی ہے۔

☆ جہاد! کی معراج حریت ہے، اپنی نفسانی خواہشات سے آزادی، بے لگام جذبات سے آزادی، لامتناہی آرزوؤں سے آزادی ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

کے برخلاف راہِ جہاد کے مسافر کی صرف ایک آرزو ہوتی ہے۔ ''جس پہ'' دم نہیں نکلتا، جس میں دم نکلتا ہے۔

☆ جہاد! معراجِ محبت ہے۔ اللہ کی مخلوق سے محبت ...... مسلمان بہن بھائیوں سے محبت، اللہ سے محبت ...... اس کے رسول سے محبت ...... یہ وہ اعلیٰ وارفع محبت ہے جس کا مقصد ارضی نہیں ''سماوی'' ہوتا ہے۔ یہ محبت میں اپنے مقصدِ زندگی سے محبت ...... دوسری تمام محبتوں پر غالب آ جاتی ہے۔ اپنے مسلمان مظلوم بہن بھائیوں کی محبت کا جذبہ اس قدر تقویت حاصل کر لیتا ہے کہ مجاہد کے لئے چین سے بیٹھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم ''وَجَاهِدُوا'' (اور جہاد کرو) پر عمل کی محبت والدین پر اس قدر غالب آ جاتی ہے کہ وہ اپنے جگر گوشوں کے سروں پر کفن باندھ کر بخوشی میدانِ جہاد کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اولاد سے محبت کا یہ انوکھا انداز ...... جذبہ فانی نہیں، ابدی فوائد پر نظر رکھتا ہے۔ بقول شاعر

اس قدر کر دوں گا ماؤں کی محبت کو بلند
دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

☆ جہاد! معراجِ حیات ہے۔ مجاہد شہادت پا کر ابدی زندگی پا لیتا ہے، ایسی بے مثل زندگی جو غموں اور دکھوں سے پاک ہے، جس میں بیماریاں نہیں، پریشانیاں نہیں، آہیں اور بلائیں نہیں۔ فساد و عناد نہیں، واحد القہار کی حکمرانی اور امن و سلامتی ہے

شہید جس نے بدن کے بدلے حیاتِ دائم خرید کی ہے
یہ پاک میت ہے ایک سورج ضیاء یہ صبحِ امید کی ہے

وہ شہادت پا کر قوم کو بھی روحانی اور جسمانی حیات بخش جاتا ہے۔

اس کے اعزہ و اقارب کے دلوں میں اس کی شہادت کی تائید سے دین اور آزادی کی

نئی تڑپ پیدا ہوتی ہے ۔مظلوموں کی گردن کے گرد کسے پھندوں کی جکڑ ڈھیلی ہو جاتی ہے۔نئی نسلوں کے مستقبل کا آزادی کی طرف ایک اور قدم اٹھ جاتا ہے۔غلبۂ دین کی جدو جہد میں پیش رفت ہوتی ہے۔بلاشبہ

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

سچ کہا صادق ومصدوق نبی اکرم ﷺ نے

" اَلْجِهَاد سنام العمل "

''جہاد اعمال کی معراج ہے''۔(ترمذی)

جولائی۔۱۹۹۹ء

پاکستان ایک تجربہ گاہ

ہمارے ایک رہنما کا قول ہے: ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا مقصود تھا جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

اس قول کو آج تک ہم دہرا رہے ہیں، مگر کیا کبھی کسی نے دین اسلام کے نفاذ کے لیے ''تجربہ'' یا ''تجربہ گاہ'' کے لفظ پر غور کیا؟ تجربہ تو کسی ایسی چیز کا کیا جاتا ہے جس کے ٹھیک ہونے کا پختہ یقین نہ ہو، جس کے بارے میں ہم تذبذب میں ہوں کہ نہ جانے ''آزمانے'' پر ٹھیک بھی نکلے یا نہ نکلے؟ یا اگر وہ چیز پرانی بھی ہو تو اس کے استعمال لیے تجربہ کا لفظ اس خیال سے استعمال کیا جاتا ہے کہ نہ جانے ہمارے حالات کے مطابق وہ ہمارا ساتھ دے سکے یا نہ دے سکے۔ جب کہ دین اسلام کے ساتھ ان صورتوں میں سے کسی بھی صورت والا معاملہ نہیں ہے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ دین اسلام رب العالمین کا عطا کردہ دین ہے، اس کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق ہم تذبذب کا شکار بھی نہیں (یاد رہے کہ دین اسلام بالفاظ دیگر آئین الٰہیہ کی افادیت کو مشکوک قرار دینا یا مشکوک سمجھنا ہمارے ایمان کو مشکوک بنا دیتا ہے) اس کا بعینہٖ اس کا مکمل روح کے ساتھ نفاذ ہی ہماری دنیوی واخروی فلاح کا ضامن ہے۔ دنیا کے باقی تمام نظام اور قانون انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں جن

میں خامی یا غلطی ہونا لازمی امر ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز میں واحد اور احد ہے، کسی معاملہ میں بھی اس کا کفو نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کے دیے ہوئے قانون میں صرف افادیت ہی نہیں بلکہ اس کا دنیا کا کوئی قانون یا مذہب کفو بھی نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ کہ دین اسلام کوئی جدید قانون نہیں بلکہ یہی تو وہ قانون ہے جو انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا۔ ہر نبی کے دور میں اُمت کے مزاج اور حالات کے مطابق اس میں تبدیلیاں آتی رہیں۔

نبی مکرم ﷺ کی امت کے لیے اس قانون کو آخری شکل میں نازل کیا گیا کیونکہ آپ ﷺ کی آمد تک انسانی شعور اور تہذیب و تمدن میں جتنے تغیرات آنے تھے، آ چکے تو دین کی تکمیل کر دی گئی بالکل ایسے ہی جیسے ہم بچے کی عمر اور ذہنی سطح کی مطابق اسے بتدریج مشکل نصاب پڑھاتے ہیں اور جب وہ ہمارے مطلوبہ معیار کے مطابق تمام مدارج طے کر لیتا ہے تو اسے اعلیٰ سطح کی سند دی جاتی ہے۔ چنانچہ اب یہ دین مکمل ہے:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا۔(المائدہ: ۳)

”آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا۔“

یعنی دین کے مکمل ہونے کی صورت میں امتِ محمدیہ ﷺ پر اپنی نعمت کا اہتمام کر دیا گیا اور اسلام بطور دین منتخب کیا گیا۔ پھر یہ بھی فرما دیا گیا:

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ۔(آلِ عمران:۸۵)

”اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا“۔

یاد رہے کہ دین سے مراد زندگی کے تمام شعبہ جات ہیں جن میں ایک سیاست بھی ہے۔اسلام کے متعلق یہ معاملہ بھی نہیں کہ ایک قوم یا ایک زمانے میں تو اس کا نفاذ درست ہو جب کہ نعوذ باللہ کسی دوسری قوم یا زمانے کے لیے غیر مفید اور نا قابلِ عمل ہو...... یہ دین تو ہر انسان کی فطرت کے مطابق ہے، انسانی روح اور جسم صرف اسلام پر ہی عمل پیرا ہو کر بے چینی اور اضطراب (جدید اصطلاح میں ڈیپریشن) جیسے امراض سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

دین اسلام ہی وہ دین ہے جس کے متعلق انسانی فطرت کے خالق اور اس کے اصل نبّاض نے فرمایا:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔(الروم: ۳۰)

"اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا، یہی درست اور راست قانون ہے پس (اے نبی) یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کے سمت کر دو۔"

اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ دین اسلام ہی وہ دین ہے جس نے عرب کے اَن پڑھ بدووں کو دنیا کی تاریخ میں عظیم متمدن قوم بنا دیا بقول نعیم عارفی ؎

اہلِ زمانہ بے خود و سرشار ہو گئے
سنگ و خزف تھے جو درِ شہوار ہو گئے
جاہل جہاں کے نادرہ گفتار ہوئے
بدو عرب کے قافلہ سالار ہو گئے

اک زندہ روشنی تھے جہاں میں بکھر گئے
شام و عراق و ہند کے گلشن نکھر گئے

خواہش تو ہماری بھی یہی ہے کہ دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی صف میں شامل ہو جائیں مگر افسوس کہ ہم ترقی کے اصل مفہوم سے ناواقفیت کی وجہ سے راستہ غلط اختیار کر چکے ہیں۔کاش شاعر کا یہ احساس ہم سب کے دلوں میں جاگزیں ہو جائے ۔

لوٹ جا عہدِ نبی ﷺ کی سمت رفتارِ جہاں
پھر میری پس ماندگی کو ارتقا درکار ہے

اس سمع خراشی سے میرا مقصد کسی کی تنقیص نہیں ۔کوئی بھی انسان نبی مکرم ﷺ کے علاوہ نہ کامل ہے نہ ہو سکتا ہے اور کوئی آپ ﷺ کے علاوہ تنقید سے مبرا نہیں لہذا میرے ناقص علم کے مطابق دین اسلام کے متعلق اس لفظ سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

۱۹۹۴ء

پاکستان قرآنی عروج و زوال کے آئینے میں

پاکستان اپنی زندگی کی نصف صدی مکمل کر چکا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھنا چاہیں تو پاکستانی قوانین اور نظام پر گرد و غبار کی ایسی دھند چھائی ہوئی نظر آتی ہے کہ قیام مملکت کے اصل مقصد کا اپنے حقیقی نقوش کے ہمراہ پچاس سالہ دور کے آئینے میں دیکھنا محال ہو جاتا ہے۔

قیامِ پاکستان کا تقاضا کیا تھا؟ لیکن ہم نے کیا کیا؟ اسلام کے نفاذ سے مجتنب ہو کر ہم کن مسائل کا شکار ہوئے۔ اور اب ان کا حل کیا ہے؟ پاکستان کے پچاس سالہ دور کے تناظر میں قرآنی آیات کی روشنی میں جائزے کی کوشش پیشِ خدمت ہے۔ یاد رہے کہ یہ آیات اس عظیم و برتر ہستی کے فرامین پر مشتمل ہیں جس کے دیئے گئے نظام کے نفاذ کی خاطر ہی برِ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے اس ذاتِ اقدس کے دیئے ہوئے منشور "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا علم اٹھائے ہوئے آگ اور خون کا دریا عبور کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔

آگے بڑھنے سے قبل بہتر ہوگا کہ تحریکِ پاکستان کے ہراول دستے کے قائد محمد علی جناح کا ایک فرمان یاددہانی کے طور پر نقل کرتے چلیں۔

"سوائے جاہلوں کے سب جانتے ہیں کہ قرآن مسلمانوں کا مذہبی، سوشل، سول، کمرشل، ملٹری، عدالتی، کریمنل پینل کوڈ ہے۔ (پیغامِ عید۔ ۱۹۴۵)

"میں ان کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ دانستہ شرارت سے یہ پراپگنڈہ کرتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی

اسی طرح قابلِ اطلاق ہیں۔جیسے آج سے تیرہ سو سال پہلے تھے۔(۲۵ جنوری ۱۹۴۸)

قیامِ پاکستان اور تحریکِ پاکستان :

"وعدہ فرمایا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے اور ان کے لئے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا۔جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی موجودہ حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔پس وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔اور جو اس کے بعد کفر کریں تو ایسے ہی لوگ فسق میں مبتلا ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اطاعتِ رسول کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔(التوبہ:۵۵،۵۶)

اس آیت کی روشنی میں تحریکِ پاکستان پر غور کریں تو اس کے ایک ایک لفظ کی صداقت ابھر کر سامنے آتی ہے۔واقعی تحریکِ پاکستان کے دوران برصغیر کے مسلمانوں نے جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو کر جرأت،ایثار،ہجرت، جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی ایسی نا قابلِ فراموش مثالیں قائم کیں جو اس عہد میں مذکور مومنوں کی صفتِ ایمانی "عملو الصالحات" (نیک عمل کئے) کی تصدیق کر رہی ہیں۔

چنانچہ مذکورہ وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ مسلمانانِ برصغیر کو اعمال صالح کے ذریعے اپنے ایمان پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کے بعد ایک ایسا خطۂ ارضی بھی عطا کر دیا جس میں اللہ کے پسندیدہ دین کا نفاذ کر سکیں۔

یہاں ہمیں تحریکِ پاکستان کے مجاہدین کے ان عزائم کو فراموش نہیں کرنا چاہئے جس میں انہوں نے اسلام کے نفاذ کی خاطر مملکت کے حصول کی خواہش کی تھی۔

بقول قائد محترم محمد علی جناح:"آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرک کیا

تھا؟ مسلمانوں کے لیئے ایک جداگانہ مملکت کی وجہء جواز کیا تھی؟ تقسیمِ ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اِس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے، نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔" (۸ مارچ ۱۹۴۴)

یہاں تک تو مرحلہ تھا اللہ تعالیٰ کے وعدے کی پابندی کا جو اللہ تعالی نے پورا کر دیا کیونکہ "مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا" "اللہ سے بات میں اور کون سچا ہو سکتا ہے"۔ اب اللہ تعالیٰ نے زمام داختیار جنہیں سونپی تھی ان کے وفائے عہد کا زمانہ شروع ہوا، مذکورہ بالا آیت کے مطابق ان کے فرائض درج ذیل تھے۔

☆ یَعْبُدُوْنَنِیْ : وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

مگر...... قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اِس شرط کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے غیر ملکی آقاؤں کی بندگی اختیار کر لی گئی۔ ان کی کاسہِ گدائی کو استحکامِ اقتدار کی علامت سمجھا گیا۔ مٹی کے بت نہ بنائے تو کیا ہوا؟ اللہ کے نام پر حاصل شدہ خطہِ ارضی میں رشوت' سود' سفارش' غیر اقوام کی بلا چون و چرا اطاعت جیسے بے شمار بت تراش لئے۔ جن کا تصور بھی ہمارے لئے سوہانِ روح ہوتا ہے ملک کے کسی کونے سے باغیرت مسلمانوں کی دبی دبی صدائے احساس انہیں پاش پاش کرنے کے لئے بلند ہو تو ہمارے ملک کی کوئی نہ کوئی مقتدر شخصیت فوراً ایسے بیانات داغ دیتی ہے۔

"ہم دنیا میں اکیلے رہ گئے ہیں۔ وطنِ عزیز اسلام کے لئے بنا تھا نہ کہ فنڈا منٹلزم کے لئے آج دنیا بھر میں اسلام اور پاکستان کو بدنام کیا جا رہا ہے۔" (روزنامہ جنگ۔ ۴ ستمبر ۱۹۹۲)

☆ قیامِ صلوٰۃ: قیامِ پاکستان کے بعد مسلمانوں کا عبادتِ الٰہی اور شرک نہ کرنے کے معاہدے پر عمل کے بعد دوسرا اہم فریضہ اقامتِ صلوۃ تھا۔ اس کی تشریح و تائید درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:

"وَلَيَنصُرَنَّ اللهُ مَن يَنصُرُهُ۔ اِنَّ اللهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ اَلَّذِينَ اِن مَّكَّنّٰهُم فِي الاَرضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوا بِالمَعرُوفِ وَنَهَوا عَنِ المُنكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الاُمُورِ"۔ (الحج:٤١)

"اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا' جو اس کی مدد کریں گے، اللہ بڑا طاقت ور اور زبردست ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ قیامِ صلوٰۃ کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور انجامِ کار تمام معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں"۔ صلوٰۃ دین کا ستون اور تمام برائیوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ اسلامی نظامِ سیاست کی ایسی عملی تربیت ہے جس میں اطاعتِ الٰہی، اطاعتِ امیر، پابندیِ وقت اور پابندیِ سنت کا سبق مضمر ہے۔

☆ ایتاءِ زکوٰۃ: دوسرا فریضہ تھا جس میں تمام معاشی مسائل کا حل مضمر ہے۔

☆ تیسرا اور چوتھا فریضہ' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تھا۔ کسی مملکت کا مستحکم ہونا نظامِ معاشرت کی درستگی پر منحصر ہوتا ہے۔ فریضہِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسی درستگی کی نمود کا ذریعہ ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد یہ فرائض کہاں تک پورے کئے گئے وہ کسی سے مخفی نہیں، ان ہی احکامات پر عملدرآمد نہ کرنے کی صورت میں پاکستانی معاشرہ گوناگوں مسائل کے بھنور میں پھنس چکا ہے۔ یہ مسائل ایسے گوناگوں اور خاردار ہیں کہ ان سے نپٹنے کی سرتوڑ کوشش کریں تو بھی اصلاح کی کوئی صورت نکلتی نہیں اور نکلے بھی کیسے؟ جب مسائل کی گتھی کا اصل سرا تلاش کرنے کی بجائے بے ترتیبی سے دھاگے کھینچنا شروع کر دیں گے تو گتھی "اَلَّتِي نَقَضَت غَزلَهَا" "جس نے اپنا کاتا ہوا سوت توڑ دیا" (العنکبوت) کے مصداق دھاگے کے کئی ٹکڑوں کی شکل تو اختیار کر لے گی لیکن اپنی وحدانیت کھو دے گی۔ ہماری حالت تو اکبر الہ آبادی کے درج

ذیل شعر کی مصداق ہے ؎

فلسفی کو بحث میں اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

لٰہذا آیئے قرآنِ مجید کی آیات کی روشنی میں ترتیب وار دیکھیں کہ مسائل کا اصل سرا کیا ہے؟ اور یہ گتھی کیسے سلجھے گی؟

☆ شاخسانۂ اعمال:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ"۔(الروم:٤١)

''خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا، اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے، ممکن ہے کہ وہ باز آ جائیں''۔

یہ آیت اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ معاشرے میں پھیلے ہوئے مسائل خود بخود پیدا نہیں ہو گئے' یہ ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ہم جو بیج بو رہے ہیں اس کی فصل آخرت میں تو کاٹیں گے ہی، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح کی غرض سے دنیا میں بھی ہمیں ان کے انجام کی ہلکی سی جھلک سے دوچار کر رہا ہے شاید کہ ہم پلٹ جائیں۔

☆ مہنگائی' تنگیٔ معیشت' بے برکتی اور بے روزگاری: استحکامِ معیشت پر استحکامِ مملکت کا بڑا انحصار ہوتا ہے۔ معاشی استحکام کے بغیر ملکی فلاح کا کوئی منصوبہ عملی جامہ نہیں پہن سکتا۔ پاکستان کو اس وقت نا مستحکم معیشت کے پنجے نے بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ اس کی وجوہات درج ذیل آیت کی روشنی میں ملاحظہ ہوں :

"فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ، وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا، وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ، قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ

بَصِيرًا، قَالَ كَذَالِكَ اَتَتْكَ ايٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذَالِكَ الْيَوْمَ تُنسیٰ، وَكَذٰلِكَ نَجزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْ مِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقیٰ"۔ (طٰهٰ:۱۲۳ - ۱۲۷)

''پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت (کا ذریعہ بھی رسول یا کتاب) پہنچے تو (تم میں) جو شخص میری اِس ہدایت کی اتباع کرے گا تو وہ نہ تو دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہو گا اور جو شخص میری (اس) نعمت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگیِ معیشت ہو گی اور قیامت کے روز ہم اُسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے وہ (تعجب سے) کہے گا کہ اے میرے رب آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ ایسا ہی (تجھ سے عمل ہوا تھا اور یہ کہ) تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جائے گا اور اسی طرح (ہر) اُس شخص کو ہم (مناسبِ عمل) سزا دیں گے جو حدِ (اطاعت) سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بڑا دیرپا ہے''۔

اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں تنگیِ معیشت کے اسباب:

(۱) اللہ کی یاد کا دلوں سے محو ہو جانا ہے: اللہ تعالیٰ کی یاد تمام نیکیوں کی ایسی شاہ کلید کی حیثیت رکھتی ہے جو انسان کو ہر قدم پر اخوت کا احساس دلاتی ہوئی اپنے مسلمان بہن بھائیوں کے دکھ سکھ میں شرکت کی ترغیب دیتی ہے۔ یہی وہ صفت ہے جو انسان کو معاشی حیوان بننے کی بدبختی سے بچا کر دردمندی کے ارتقائی مدارج سے ہمکنار کرتی ہے۔

(۲) ہدایتِ الٰہیہ کی پیروی نہ کرنا: اللہ تعالیٰ کی یاد دلوں سے محو ہو جائے تو اللہ کی ہدایت کہاں یاد رہتی ہے، انسان کو خوش حالی سے ہمکنار کرنے والے پاکیزہ معاشی نظام پر مبنی ہدایاتِ الٰہیہ کی پیروی نہ کرے گا تو نتیجۃً تنگیِ معیشت کی بیڑیوں میں جکڑا رہے گا۔

(۳) آیاتِ الٰہیہ پر ایمان نہ لانا: اللہ تعالیٰ کی یاد بھلا دینا اور اس کی ہدایات کی تعمیل نہ کرنا اس

حقیقت کا عمل مظہر ہے کی ہمارا اللہ پر ایمان نہیں ورنہ اللہ پر ایمان تصدیق باللسان والقلب کا تقاضا تو اس کے ہر حکم پر ایمان لاتے ہوئے، خواہ حکمت سمجھ میں آئے نہ آئے، بظاہر نقصان ہی کیوں نہ نظر آئے سرِ تسلیم جھکا دیا جائے کے "فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة" کی حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

(۴) حدودِ اطاعت سے تجاوز: حدودِ اطاعت سے تجاوز دراصل اعلانِ بغاوت کی ایک صورت ہے جس کی سزا ہر مذہب، ہر جماعت، ہر ملک اور دستور میں کڑی ہے۔

غور کریں تو یہ چاروں اسباب یا امراض ہماری قومی زندگی کے رگ و ریشے میں رچ بس چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کی بجائے ہماری خواہشوں، فلموں، گانوں، طاغوتی اشیاء اور معیارِ زندگی بلند کرنے کی تمناؤں کی یادیں ہمارے ذہنوں میں بسیرا کر چکی ہیں۔

ہدایتِ الٰہیہ سے آج ہمارا کون سا تاجر ہے جو واقف ہو، یا ان پر ایمان لا کر عمل بھی کرتا ہو، چنانچہ چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور اپنی جیبیں بھرنے کی روش معیشت کا کباڑا کرے گی ہی۔

آج کل کھانے کی چیزوں میں ملاوٹ کے علاوہ بد ذائقہ ہونے کی شکایت بھی عام ہے خصوصاً ہمارے بڑے بتاتے ہیں کہ پھلوں اور سبزیوں کا جو مزہ آج سے پچاس ساٹھ سال قبل ہوتا تھا وہ اب کھانے میں نہیں آتا۔ چیزیں پھیکی اور بد ذائقہ ہو گئی ہیں۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی درج ذیل آیت بتاتی ہے۔

"لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِي مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ، فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ"۔(السبا:١٦)

(اہلِ) سبا کے لئے ان کی تمام رہائش میں ایک نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) دائیں

طرف اور (ایک) بائیں طرف۔ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر اور (وہاں بخشنے کو) اللہ غفار تو انہوں نے (شکر گزاری سے) منہ پھیر لیا پس ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیئے جن کے میوے بدمزہ تھے اور ان میں کچھ تو جھاؤ تھا اور کچھ بیریاں۔

گویا اس بدمزگی کا سبب زندگی کے مختلف مراحل میں اللہ تعالی کے احکامات سے روگردانی کرنا ہے' نیز ہر سال سیلاب کے ذریعہ فصلوں کے ضائع ہونے کا سبب بھی یہی ہے۔

"وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ" ۔(الروم: ۳۹)

اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو زکوۃ اللہ کی رضا طلب کرنے کے لئے دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ (اپنا مال) بڑھاتے رہیں گے۔

قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک ہمارے معاشی ماہرین سودی نظام کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کی کوشش کے باوجود اس کی حمایت اور استحکام کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ سودی نظام کے خاتمے کو معیشت کی بدحالی سے تعبیر کیا جاتا ہے گویا سودی نظام نے ہمیں بڑی معاشی کامیابیوں سے ہمکنار کیا ہے اور ہم دنیا کے امیر ترین ملک بن چکے ہیں۔ شیطان کے اس سبز باغ کے جھانسے میں نہ جانے ہم کب تک پھنسے ہوئے اپنی تباہی کا سامان کرتے رہیں گے۔

مندرجہ بالا آیت بتاتی ہے کہ دن بدن ہمارے بال بال کا قرضے میں جکڑ جانا اور پیسے میں اجتماعی اور انفرادی طور پر بے برکتی ہو جانے کا سبب ہمارا اللہ تعالی کا معاشی تعلیمات سے اعراض اور سودی نظام کی حمایت کرنا ہے۔ یہ آیت مبارکہ معاشی فراوانی کے لئے زکوۃ وصدقات

کے فروغ کا حکم دیتی ہے۔

معیشت کی بدحالی کا حل:

"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّاراً، يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَاراً، يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهَاراً، مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَاراً"۔(نوح: ۱۰۔ ۱۵)

اور میں نے (حضرت نوح) سے کہا کہ اپنے رب سے استغفار کرو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔وہ تم پر آسمان سے بارش برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور (ان میں)تمہارے لئے نہریں بہادے گا تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔

ایک اور جگہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعاً حَسَناً اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ"۔(ہود: ۳)

اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو وہ تم کو ایک وقتِ مقررہ تک متاعِ نیک سے بہرہ مند کرے گا' اور ہر صاحب بزرگی کو اس کی بزرگی (کی داد) دے گا۔

اس آیت کے مطابق معاشی بدحالی کو معاشی خوشحالی سے بدلنے کے لئے استغفار کی روش اختیار کرنا ضروری ہے۔

گویا گناہوں سے ندامت اور انابتِ الٰہی یعنی آئندہ کے لئے تسلسلِ گناہ سے باز رہیں۔

عالمی سطح پر عزت ووقار کا فقدان:عزت ووقار کا حصول انسان کا بنیادی حق اور بنیادی خواہش ہے مگر اس سے بڑا المیہ اور کیا ہوگا کہ ہم اندرونِ ملک ہی اپنی نگاہوں سے گر چکے ہیں دن میں نہ جانے کتنی بار تنگ آکر پاکستانیوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ان پر لعنت بھیجتے ہیں انہیں گالیاں دیتے ہیں جو درحقیقت ہمیں خود ہی پہنچ رہی ہوتی ہیں۔

بیرونِ ملک ہماری بدعملیاں ''پاکی'' کے لفظ کو ہمارے لئے تحقیر کی علامت بنا چکی ہیں۔ عالمی طور پر ہم ایک حمایت سے محروم ہو چکے ہیں۔ اور اس کی ایک مثال مسلۂ کشمیر کے معاملے میں برسرِ حق ہونے کے باوجود مختلف ممالک کا ہماری حمایت سے کنارہ کش ہو جانا۔ درج ذیل آیت اس المیہ کی نشاندہی کرتی ہے :۔

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ''۔(المجادلہ: ۲۰)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ کرنے والے ذلیل ہیں۔

قرآنِ مجید میں سود سے کنارہ کشی اختیار نہ کرنے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ یا اعلانِ بغاوت کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اپنے معاشرے میں ہر طرف نظر دوڑائیں تو سود ہمارے رگ و پے مین رچا ہوا دکھائی دیتا ہے لہٰذا عزت و وقار سے محرومی اس کا منطقی نتیجہ ہے۔

''بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا، الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا''۔(النساء: ۱۳۹)

''منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کی ان کے لئے دردناک عذاب یقینی ہے۔ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔

عزت و وقار کا حصول انسانی کمزوری ہے لیکن اس کے لئے غلط ذرائع اختیار کرنا عزت و وقار سے ہمکنار کرنے کی بجائے ذلت کی دلدل میں پھنسا دینے کا سبب بنتا ہے۔ اس آیت میں ان منافقین کو عذابِ الیم کا مژدہ سنایا گیا ہے جو زبان سے تو اللہ رب العالمین کے دینِ اسلام کا دم بھرتے ہیں لیکن عزت کے حصول کے لئے اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی بجائے کفار کی گود میں گھسنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں، اس آیت کا مفہوم مدِ نظر رکھتے ہوئے معاشرے کے چلن پر جتنا غور کریں یہ حقیقت نمایاں ہوتی چلی جائے گی۔

ہمارے معاشرے کے ادنیٰ فرد سے لے کر ایوانِ بالا تک ہر فرد معیارِ زندگی کی بلندی اور عزت کے حصول کے لئے کفار بالفاظِ جدید مغرب کی دوستی کا دم بھرنا اور اس کی ثقافت اختیار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اپنی کرسئ اقتدار کے استحکام کے لئے دربارِ اعلیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے وقت کی بزعم خود بڑی طاقتوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اندھوں میں کانا راجہ کے مصداق ملک کے اہم فیصلے اپنے "راجوں" کی خدمت میں جی حضوری کا کرشمہ ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود عالمی سطح پر ہمارے وقار میں دن بدن کمی کسی سے مخفی نہیں۔

"اَفَتُؤمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعضٍ فَمَاجَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَالِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ"(البقرة:۸۵)

"تمہارا یہ حال ہے کہ کچھ حکموں پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ پر نہیں تو تم میں سے جس کا طرز عمل یہ ہو، اسے دنیاوی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کیا خبر ملے گی اور قیامت کے دن بہت سخت عذاب میں ڈال دیا جائے گا اللہ تمہارے اعمال سے غافل تو نہیں۔"

اس آیت کی روشنی میں رسوائی کا تیسرا سبب دین کے بعض حکموں پر عمل اور بعض کی نافرمانی ہے۔ ہماری یہ منافقانہ روش کاروبارِ حیات کے ہر گوشے میں واضح نظر آتی ہے۔ کہ ہم بزعمِ خود اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دینے کے لئے مرضی کے احکامات تو مان لیتے ہیں اور پھر ان کی تشہیر بھی خوب کرتے ہیں کہ دیکھا ہم نے کتنی بڑی نیکی کی۔ لیکن جب اپنے دنیاوی مفادات کو ٹھیس پہنچتی نظر آتی ہو احکاماتِ الٰہیہ سے روگردانی کی روش اختیار کرنے پر فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلام آدھے تیتر آدھے بٹیر کے مصداق ادھورے عمل کا نہیں پورے عمل کا نام ہے عزت ووقار کے اسلام میں پورا پورا داخل ہونا ہو گا اور زندگی کے ہر شعبے سیاست،

معاشرت، معیشت، تعلیم، قانون، صحافت میں اسلام کو نافذ کرنا ہوگا۔ کیونکہ عزت دینے والا تو اللہ ہی ہے۔اس کا ارشاد پاک ہے :

"اِنْ یَنْصُرْکُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ فَاِنْ یَخْذُلْکُمْ فَمَنْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔"(آل عمران: ۱٦٠)

"(وہ تو ایسا زبردست حاکم ہے کہ) اگر وہ تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب نہ آئے گا اور اگر وہ ذلیل کرنے کو ہو تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تم کو مدد دے۔اسی لئے تو مومنوں کو چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ کریں"۔

پاکستانیوں کا زوال: کبھی مسلمانوں کا سکہ ساری دنیامین چلتا تھا فتح وکامرانی ان کے قدم چومتی تھی۔اپنے دور کی سپر طاقتوں کے برج ان کی تکبیر لا الہ نے الٹ دیئے تھے لیکن آج......آج مسلمان دنیا پر ہر لحاظ سے مائل بہ زوال ہے، ثقافتی محاذ پر زوال' علمی محاذ پر زوال' سائنسی محاذ پر زوال' معاشی محاذ پر زوال' سیاسی محاذ پر زوال...... پاکستان کی حالت پر نظر دوڑائیں تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے تعمیر کنندگان کی خواہش کے مطابق دنیا بھر میں ثقافت کا علمبردار ہوتا۔ کھیل سے لے کر تہواروں تک اس کی ہر چیز غیروں کی ثقافت کا حربہ ہے۔

علمی لحاظ سے دنیا بھر پر بالادستی ہونی چاہئے تھی مگر شرح خواندگی اس تصور کو بھی شرماتی ہے۔

سائنسی حوالے سے اپنے پیش رو جابر بن حیان اور بوعلی سینا کا جانشین بنتا تھا۔ مگر سب سے زیادہ پسماندگی اسی شعبہ میں ہے۔

معاشی لحاظ سے اسلامی نظام معیشت کا ڈنکا ساری دنیا میں بجانا تھا مگر یہ خود اپنے ہاتھ کاٹ کر آئی، ایم، ایف کے سپرد کر چکا ہے۔

اسے اسلامی سیاست کی مثال بن کر دنیا کو دکھانا تھا مگر اس کے سیاستدان لوسوکی بیٹی

جمہوریت کی گود میں غالباً ابدی نیند سو چکے ہیں
ہر شاخ پہ اُلّو بیٹھا ہے انجام نجانے کیا ہوگا

اس کی وجوہات کیا ہیں؟ قرآنِ مجید جواب دیتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۔(الانفال:٤٥ ـ ٤٧)

''مومنو جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ مراد حاصل ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جھگڑو نہیں (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو اتراتے ہوئے (یونی حق کا مقابلہ کرنے کے لئے) اور لوگوں کو دکھانے کے لئے گھروں سے نکلے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو اعمال یہ کرتے ہیں اللہ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

① ۔ثابت قدمی سے گریز: پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی ہمارے قدم مقاصدِ پاکستان سے اس وقت پھسل گئے جب ہم نے اپنی خواہشات کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے نفاذِ اسلام سے گریز کی راہ اختیار کی معاشی نظام نہ بدلا اور دنیا بھر میں جاری معاشی نظام کے سامنے چکرا کر رہ گئے ۔علی ھذا القیاس۔ اللہ تعالیٰ ثابت قدمی ہوتو کامیابی اور کامرانی کی ضمانت بتاتے ہیں۔ چنانچہ اس ''تزلزلِ اقدام'' کے بعد ہماری ناکامیاں روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

حدیث میں جہاد چھوڑنے کو ذلت مسلت کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جہاد کے میدان میں بھی ثابت قدمی دکھانے کی بجائے ہم کشمیری مسئلہ کا حل مذاکرات کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔

② ۔اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے گریز: چنانچہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کی مخالفت کرتے ہوئے عورت کی حکمرانی دوبارہ ہمارے ملک پر مسلط ہو گئی۔

③ ۔جھگڑے: ہمارے معاشرے میں جھگڑوں کی کثرت مخفی نہیں۔ دینی مسائل سے لے کر دنیا داری کے ادنیٰ پہلوؤں تک جھگڑوں کے لامتناہی طوفان ہمیں گھیرے ہوئے ہیں۔

دین کے منصوص احکام کی بھی تعبیر اپنی مرضی سے کر کے اس پر جھگڑا کرنے کی روش کی سزا میں دنیا داری کے جھگڑوں نے لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ پھر کہتے ہیں کیا کریں موجودہ نظام کا متبادل دینی نظام ہی کوئی پیش نہیں کرتا اسلام کا نفاذ ہو تو کیسے ہو؟

④ ۔اترانا اور ریا کاری: کفار کی طرح دوسروں پر اپنی امارت کا رعب ڈالنا انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا روگ بن چکا ہے۔ ایک بچے سے لے کر سیاستدان تک ہر شخص اپنے ہم عصرون پر جھوٹا رعب، جھوٹے دعوے کے ذریعے ڈالنا چاہتا ہے۔ اس شوق میں رشوت، چور بازاری، ڈکیتیوں، قتل و غارت گری اور تشدد کا سرطان جڑیں پکڑ رہا ہے۔ مگر ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جب دکھاوے کا شوق اس قدر بڑھ چکا ہو تو پھر آخر زوال کیوں نہ مقدر بنے؟ جو بن کر دنیا کو دکھانا تھا وہ بنے نہیں اور مصنوعی شان و شوکت سے اپنے آپ کو اور دنیا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

⑤ ۔اللہ کے راستے سے روکنا: اللہ کے راستے سے روکنے کے مختلف انداز رائج ہیں۔ کہیں تو ''لہو ولعب'' کے ذریعے ''حب الشہوات'' کو اس قدر فروغ دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ذہن اللہ کے راستے کی طرف مائل ہونے کا سوچ بھی نہ سکے اور کہیں اسلامی نفاذ کا مطالبہ کرنے والوں کو قید و بند کی سزا دے کر روکا جاتا ہے۔ کہیں دین کی غلط تعبیر کے ذریعے

لوگوں کو دین سے بدظن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حد تو یہ ہے کہ مساجد میں آنے والے بے گناہ نمازیوں کو قتل کیا جارہا ہے تا کہ کوئی شخص مساجد کا رخ نہ کر سکے۔

"فاعتبروا یا اولی الابصار"

تحویلِ نعمت:

پاکستان کی شکل میں اللہ تعالی نے ہمیں آزاد مملکت کی نعمت سے نوازا تھا جو جغرافیائی حدود کے اعتبار سے موجودہ پاکستان سے کہیں زیادہ بڑی تھی مگر قیام پاکستان کے ساتھ ہی اس نعمت کی شکست و ریخت کا سلسلہ شروع ہو گیا پاکستان کے کئی مجوزہ علاقے شامل نہ ہو سکے حیدر آباد و کشمیر دشمن کے قبضے میں چلے گئے ۲۱ سال بعد مشرقی حصہ بنگلہ دیش بن گیا۔ مغربی حصے میں کراچی ابھی تک مہاجر قومیت کے فتنے میں سلگ رہا ہے اللہ تعالی کی یہ نعمت ہمیں ملنے کے بعد آخر کیوں واپس لے لی گئی؟

اس کا جواب اللہ تعالی یوں دیتے ہیں :۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔(الانفال: ۵۳)

یہ اس لئے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں اللہ اسے نہیں بدلا کرتا اور اس لئے کہ اللہ سنتا اور جانتا۔

گویا پاکستان کے ساتھ ہی ہمارے سیاستدانوں کی دلی کیفیت بالفاظِ دیگر اللہ تعالی کے ساتھ نفاذِ اسلام کے کئے گئے وعدون سے غداری اس تحویلِ نعمت کا سبب بنی۔ جب تک ہم اپنی اصلاح نہیں کریں گے یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بغض وعداوت،لسانی تعصب اورقتل وغارت گری:

اس وقت ہمارے چاروں صوبوں کی فضا نسلی،علاقائی اورزبانی تعصب سے غبار آلود ہے۔ اپنے ملک کا ایک حصہ اسی زہر کی بدولت گنوا چکے ہیں۔جب کہ سندھ کی صورت میں دوسرا حصہ بھی اس تعصب کی المناک انجام کی علامت بن کر ہمارے احساس کوصدا دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان بغض وعداوت کا سبب اورعلاج بتاتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔(المائدہ: ۹۱)

”شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے،اللہ تعالی کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آجاؤ“۔

اس کے مطابق درج ذیل عوامل بغض وعداوت کا سبب ہیں:

① ۔نشہ: نشہ شیطان کا وہ کاری ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ انسان کے حواس سے بیگانہ کر کے اس سے کسی بھی ایمانی پہلو پر کاری ضرب لگوا سکتا ہے۔نشہ کی حالت میں انسان وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو ایک صاحبِ ہوش کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔علاوہ ازیں نشے کے عادی افراد کو پیسے کا لالچ دے کر کسی بھی گھناؤنے کام پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔نشہ کی عادت ایسی جان لیوا ہوتی ہے کہ وہ جب تک پوری نہ ہو چین نہیں آتا۔لہٰذا نشہ کا عادی شخص نشہ پورا کرنے کی خاطر پیسے کے لئے گناہ اور ظلم کی انتہاؤں کو بھی چھو لینے سے دریغ نہیں کرتا۔

② ۔شراب: ہمارے ملک پر درونِ شہر فٹ پاتھوں پر پڑی افیمیوں کی کثیر تعداد اس حوالے سے لمحہ فکریہ ہے سستے نشے کے علاوہ ہمارے سیاستدان اور امراء کے طبقہ کی اکثریت نشہ کی عادی

ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ وہ پاکستانی شراب اور نشے پر اکتفا کرنے کی بجائے مہنگے داموں باہر سے شراب منگواتے ہیں۔یوں تو ایک طرف نشے کا گھناؤنا عمل کیا جاتا ہے تو دوسری طرف ملک کا قیمتی زرمبادلہ بھی اس آگ میں جھونکا جاتا ہے۔ہماری سابقہ حکومت نے تو شراب کی بھٹیوں کو باقاعدہ لائسنس بھی جاری کردئے تھے۔کئی بڑے سیاستدان دھڑلے سے اپنے نشئی ہونے کا اعلان کر چکے ہیں سگریٹ کی شکل میں نشے کا اشتہار ذرائع ابلاغ کے ذریعے دیا جاتا ہے۔ہمارا انگلش کورس بھی نشے کی مختلف صورتوں سے متعارف کراتا ہے۔غرض یہ کہ شراب،افیم،ہیروئن،سگریٹ اور تمباکو وغیرہ سب نشے کی صورت میں عام ہیں اور ہمارے معاشرے میں ان کا استعمال بغض وعداوت اور آپس کی لڑائی جھگڑے کا ایک اہم سبب ہے اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جن علاقوں میں قتل وغارت گری زیادہ ہوتی ہے مثلاً سندھ وغیرہ۔ وہاں نشہ بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔

۲۔جوا: مندرجہ بالا آیت کے مطابق بغض وعداوت کا دوسرا سبب جوا ہے جوا بھی ایک ایسا کاروبار ہے جس کی کھلم کھلا حکومت سرپرستی کرتی ہے۔علماء کا کئی بار ریفل ٹکٹ اور انعامی بانڈز کے متعلق جوا ہونے کا فتوی دینے کے باوجود حکومت نے ان پر پابندی نہیں لگائی ہے۔اس کے علاوہ سنوکر کلبز،ہارس گیمز وغیرہ۔سب جوے کی شکلیں ہیں کھیلوں میں بھی سرِ عام جوا لگایا جاتا ہے۔

۳۔اللہ کی یاد محو ہو جانا: اللہ کی یاد بھلا دینے سے انسان اللہ کی درج ذیل احکامات بھول جاتا ہے لہذا نسلی لسانی اور علاقائی تعصب کی آگ اپنی لپیٹ میں لے کر قتل وغارت گری کا بازار گرم کردیتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔(الحجرات:۱۳)

اے لوگو ہم نے تمہیں ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو تمہارے کنبے اور قبیلے بنادئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔

گویا قبیلے، زبان اور علاقائی حد بندیاں معیارِ فضیلت نہیں۔تقویٰ معیارِ فضیلت ہے اور اس کا فیصلہ کسی آدمی کے پاس نہیں اللہ کے پاس ہے۔ایک اور جگہ ارشاد ہے :۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔(الحجرات:۱۰)

"یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

⑤۔نماز نہ پڑھنا: نماز اللہ کی یاد قائم رکھنے اور جوئے و شراب جیسی اللہ کی نافرمانیوں سے اجتناب کا نام ہے اس کا ایک اہم رکن باجماعت ادائیگی ہے۔باجماعت ایک ایسی مواخواتی برادری تشکیل دیتی ہے جس کی بنیاد "یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" پر تشکیل ہوتی ہے لہذا "زر" اور "زمین" پر جھگڑے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔یہ اللہ کے ہر وقت حاضر و ناظر ہونے کا احساس دلاتی ہے۔لہٰذا نگاہ کی خیانت کا نتیجہ "زن" کا جھگڑا بھی مٹ جاتا ہے۔تینوں "ز" کے جھگڑے ختم کرنے کے علاوہ یہ محمود و ایاز کو ایک صف میں کھڑا کر کے حکمران و رعایا، امیر و غریب، آزاد و غلام، زمیندار و ہادی، بیوروکریٹ و کلرک، سب میں امتیاز ختم کر دیتی ہے۔دوسری طرف اللہ اکبر کی ہر صدا انسان کو احساس دلاتی ہے کہ برتر وہ نہیں، برتر اس کی قوم نہیں، برتر اس کی زبان نہیں، برتر اس کا قبیلہ نہیں، برتر اس کا صوبہ نہیں، برتر اللہ کی

ذات ہے۔زندگی اپنی اپنی قوم اپنے قبیلے اپنی زبان اور اپنے صوبے کی برتری قائم کرنے کا نام نہیں سب سے برتر اللہ کی نگاہوں میں تقویٰ کے اعتبار سے سب پر برتری قائم کرنے کا نام ہے۔جب مقاصد اور رجحانات مطمعِ نظری بدل جائے تو پھر جھگڑا کیسا؟

اس طرح نماز اطاعتِ امیر اور قانون کی بالاتری کا سبق سکھاتی ہے۔لہٰذا قانون کے خلاف کوئی بھی سرگرمی نہیں کرنے دیتی۔یہ ایک ایسی برادری تشکیل دیتی ہے جو مسجد میں آنے والے دوسرے ہر بھائی کے دکھ سکھ میں شریک ہونا ایمانی فریضہ سمجھتا ہے۔اس کے ہر فرد کے دوسرے سے تعلقات "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" پر استوار ہوتے ہیں۔لہٰذا ایسی صورت میں کسی بھی قسم کی عداوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔پھر نہ کالا باغ ڈیم کا جھگڑا اٹھتا ہے' نہ بنگالیوں کو بنگالی قوم کی آزادی یاد آتی ہے نہ پختون پختون خواہ ملی پارٹی کا جھنڈا بلند کرتے ہیں پھر کوئی جی ایم سید پیدا ہوتا نہ اکبر بگٹی' کوئی الطاف حسین قومیت کے نام پر لاقانونیت اور تشدد کے اڈے قائم کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔غرض سب ایک ہی برادری کے ارکان ہوتے ہیں۔اور وہ ہے "مسلمان اور نماز"۔آج ہر کوئی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ ہم میں سے کتنے پنج وقتہ نمازی ہین۔اسی تناسب سے بغض وعداوت اور دہشت گردی کی وارداتوں کا حساب لگا لیجئے۔شیطان ہم سے نماز ترک کروا کر ہمین ہمیشہ کے لئے سر پٹھول میں مصروف کر چکا ہے مگر اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے:

"فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ" کیا (تم اس کے کہنے پر آ کر) واقعی اللہ کی یاد اور نماز سے اجتناب کر لوگے۔

وحشیانہ جرائم اور ہلاکتیں:

اخباری صحافت روزانہ ایسے ایسے وحشیانہ جرائم کی داستانیں سناتے ہیں جن کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے عصمتوں کی پامالی خاوند کا بیوی کو، بھائی کا بہن کو، باپ کا بیٹی کو، بد

چلنی کے شبہ میں قتل کر دینا......اور نہ جانے کیا کیا کچھ جسے رقم کرنا بھی ہمارے قلم کی بس کی بات نہیں......

درج ذیل آیتِ مبارکہ ان ہلاکتوں اور جرائم کی وجوہات بیان کرتی ہے۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔(النور:۱۹)

" جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند ہیں،ان کے لئے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے،اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے"۔

اس آیتِ مبارکہ کے مطابق فحاشی مذکورہ تمام جرائم اور ہلاکتوں کا سبب ہے جو فحاشی کے منطقی انجام "عذاب الیم" کا کوڑا بن کر ہمارے سر پر برس رہا ہے۔

فحاشی کا سیلاب بالآخر ہر معاشرے کو ،،دردناک عذاب،، کے ہاتھوں زوال کی اتھاہ گہرائیوں پر پہنچا کر دم لیتا ہے ۔افسوس کہ ٹی وی، سینما، فلم، زرد صحافت کے ذریعے فحاشی خطرے کے نشان تک پہنچ رہا ہے اس آیت کی وسعت اور ہمہ گیری کی وضاحت الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔اس کا مفہوم دیکھنا ہو تو فحاشی کو فروغ دینے والے افراد کی المناک زندگیوں میں دیکھیں جو فن کے نام پر بزعمِ خود دوسروں کو تو تفریح کا نشہ دے رہے ہوتے ہیں مگر ان کی اپنی زندگیاں بے چینی، انتشار اور دکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔بالآخر عذابِ آخرت ان کا منتظر ہے۔

پاکستانی معاشرے کو بے راہ روی کی سلگتی ہوئی اختلاف کی آگ اور ایک دوسرے کو ناقابلِ بیان وحشیانہ جرائم کی صورت میں کر ڈالنے سے بچانے کے لئے فحاشی کے پھیلاؤ کے تمام ذرائع پر پابندی لگانا ہوگی۔چند ماہ قبل کسی کی نظر سے اس تین سالہ معصوم مقتولہ کی خبر

بھی گزری ہوگی۔ جس کی زیادتی کے مجرم نے عدالت میں برملا اعتراف کیا کہ یہ ڈش کا نتیجہ تھا۔

اقربا پروری:

اقربا پروری کے مرض نے ہر محکمے کو ابتری کا شکار کر رکھا ہے اگر جج ہیں تو فیصلے اقارب و احباب کے حق میں کیئے جا رہے ہیں، سیاستدان ہیں تو وزارتیں اور ٹھیکے کے لئے ہیں، ملازمتیں دینی ہیں تو اول خویش بعد درویش والا معاملہ ہے، مستحق کا حق مار کر اپنی اور اپنے احباب و اقارب کی جیبیں بھرنے کی فکر کی جاتی ہے، اس ناانصافی میں مستحق افراد عمر بھر کے لئے بے شمار مسائل اور پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اقربا پروری کی لعنت ہی کی وجہ سے نا اہل لوگ اعلی عہدوں پر براجمان ہیں جس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ دوسری طرف اہل لوگ بھی نا انصافی کا نشانہ بننے کی وجہ سے بعض اوقات معاشرے کے لئے مسئلہ بن جاتے ہیں۔ درج ذیل آیتِ کریمہ اس مسئلہ کا حل بتاتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔ (النساء: ۳۵)

"اے ایمان والو انصاف پر قائم رہو، اللہ کی طرف گواہی دو اگرچہ اپنی جانو پر ہو یا ماں باپ یا رشتداروں پر اگر کوئی مال دار ہے یا غریب تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، سو تم انصاف کرنے میں اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو"۔

گویا اس مسئلہ کے حل کے لئے اپنی تمام ناجائز خواہشات بالفاظِ دیگر ایسی خواہشات کو جو اللہ کے احکامات سے متصادم ہوں عبدیت کا عملی ثبوت دیتے ہوئے دبا دینا ہوں گی۔

فرقہ واریت:

ملک میں مختلف اقسام کی فرقہ واریت نے تشدد کو جنم دے رکھا ہے کہیں یہ فرقہ واریت سیاسی پارٹیوں کی شکل میں ہے تو کہیں قبائل کی شکل میں کہیں مخصوص مشترکہ مفادات کی صورت میں ہے تو کہیں مذہب کی صورت میں یہ فرقہ واریت دن بدن ظلم وستم میں اضافہ کر رہی ہے۔خصوصا دین کے نام پر ہونے والے تشدد کی وارداتوں میں یہ اضافہ تشویش ناک ہے یہ تشدد ہماری دین دشمنی کی بدترین مثال ہے المیہ تو یہ ہے کہ اس کی زد میں اکثر بے گناہ نمازی مارے جاتے ہیں یا پُر مقتدر دینی شخصیات، قتل در قتل کا سلسلہ کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ۔(الانعام:٦٦،٦٥)

”کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک دوسرے سے (لڑا کر آپس میں) لڑائی کا مزہ چکھا دے، دیکھو ہم اپنی آیات کس طرح بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں اس (قرآن) کو تمہاری قوم نے جھٹلایا حالانکہ وہ سراسر حق ہے کہہ دو کہ میں تمہارا داروغہ نہیں ہوں“۔

اس آیت مبارکہ کی رو سے فرقہ واریت کا سبب قرآن مجید کی تکذیب ہے۔

زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ واقعتاً ہم منہ سے تو قرآن مجید پر ایمان کا اقرار کرنے کے باوجود ہر قدم پر اس کی عمل تکذیب کرتے ہیں ہمارا ہر کام اس کی

بغاوت کا آئینہ دار ہے علاوہ ازیں ہمارے اہم سیاستدان اور جنہیں ہم ملکی شخصیات قرار دیتے ہیں وہ بارہا قرآن مجید کی مخالفت علی الاعلان کر چکے ہیں مثلاً ہمارے سابق وزیر خزانہ سودی نظام کے خاتمے کو معیشت کی بدحالی قرار دے کر قرآن سے اعلان جنگ کر چکے ہیں سابق وزیراعظم قرآنی حدود کو وحشیانہ سزائیں قرار دے چکی ہے پردے کو فرسودہ رسم کہا جاتا ہے حالانکہ یہ قرآن کا حکم ہے۔وعلی ھذا القیاس۔

ہمارے اس جرم عظیم کی سزا کے طور پر ہم پر فرقہ واریت کا عذاب مسلط کر دیا گیا ہے۔اس کا حل صرف یہی ہے کہ سب قرآن مجید کی طرف رجوع کر کے فرقہ واریت کے بت پاش پاش کر دیں۔

انتشار کی کیفیت:

یہ جملہ اکثر سننے میں آیا ہے کہ جی کوئی شخص اسلام کی کوئی تدبیر بتاتا ہے اور کوئی شخص کوئی۔ مولوی خود بھی اسلام کی تعبیر پر متفق نہیں لہذا سمجھ نہیں آتی کہ کیا کریں۔کوئی شخص تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتا ہے اور کوئی تین کو تین کوئی حلالہ کو ضروری بتاتا ہے تو کوئی سنگین گناہ کوئی بیس تراویح بتاتا ہے تو کوئی آٹھ ربا کی تعریف کوئی کچھ کرتا ہے تو کوئی کچھ۔

دراصل مغربی نظام کی چکا چوند ہماری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہوتی ہے۔اسلامی احکامات پر اعتراض کے پس پردہ یہ بات بھی ہوتی ہے ''ہم نہیں چاہتے کہ نفاذ اسلام کا ہر کوئی جواز ثابت ہو اور ہمیں اپنی نفسانی خواہشات سے ہاتھ اٹھانا پڑے''۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔(الانعام: ۷۱)

"کہو کیا ہم اللہ کے سوا اسے پکاریں جو ہمارا نہ بھلا کر سکے نہ برا اور جب اللہ نے ہمیں سیدھا راستا دکھا دیا تو (کیا) ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ (پھر ہماری ایسی مثال ہو) جیسے کسی کو جنات نے جنگل میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران (ہو رہا ہو) اور اس کے کچھ رفیق ہوں جو اس کو راستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ کہہ دو کہ رستہ تو وہی ہے جو اللہ نے بتایا اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرمانبردار ہوں"۔

گویا اس انتشار کا سبب ہمارا غیر اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اب غیر اللہ میں وہ تمام عوامل شامل ہیں جنہیں ہم اللہ تعالی پر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ ہماری دنیاوی ترجیحات ہوں دنیوی خواہشات ہوں یا جن سے مرعوب ہوتی ہیں وہ غیر مسلم طاقتیں کیا واقعی آج اس آیت کی تصدیق ہماری حالت نہیں کر رہی ہے کہ اسلامی احکامات سے روگردانی کر کے ہم لا قانونیت کے جنگل میں حیران ہیں طاغوت کی جناتی طاقتیں ہمیں اپنے برے بھلے سے بیگانہ کر چکی ہیں ہم دوست اور دشمن کے فرق سے قاصر ہیں کبھی ہمیں کوئی نظام اپنی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے اور کبھی کوئی لہذا ہمارے راہنما بدلتے رہتے ہیں راہنماؤں کے چہروں سے مکروہ عزائم کے نقاب نوچنے کی ہمت نہیں ہو بھی تو کیسے جب کہ ہدایتِ اصلیہ اللہ تعالی کے دین کی طرف رجوع کا سوچتے بھی نہیں اس صورت حال کا حل اس آیت میں مضمر ہے:

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

"اور ہمیں تو حکم دیا گیا ہے کہ جہانوں کے رب کے لئے فرمانبردار ہو جاؤ"۔

بدامنی:

تشدد، فرقہ واریت، لاقانونیت، قتل وغارت گری، تعصب، انتشار، اقربا پروری، وحشیانہ جرائم کا مجموعہ بدامنی کہلاتا ہے۔

امن وسکون کا نام ہمارے معاشرے سے عنقا ہے۔ باہر نکلیں تو قدم قدم پر طرح طرح

کے وسوسے اور خدشات گھیرے میں لئے رکھتے ہیں گھروں میں جان و مال محفوظ نہیں اس مسئلے کا سبب درج ذیل آیت بتاتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۔(الانعام:۸۲)

''جولوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو(شرک سے)ظلم سے محفوظ کیا، ان کے لئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں''۔

گویا بدامنی کا سبب شرک ہے شرک صرف بت بنا کر ہی نہیں کیا جاتا بلکہ اللہ تعالی کی صفات میں سے کسی بھی صفت کے ہم پلہ دوسرے کو قرار دینا شرک ہے ہمارے ملک میں جگہ جگہ کھلے ہوئے شرک کے اڈے دربار اور مزار، ہمارے اپنے ایمان کو شرک کے ظلم کے ساتھ مخلوط کرنے کے گواہ ہیں دعاؤں اور حاجات کے لئے اللہ کی بجائے بزرگوں کے در پر حاضری دی جاتی ہے۔ استعانت کی خواہش، غوث پاک، سے کی جاتی ہے۔مساجد اللہ کی عبادت کی بجائے، چلوہ غوثیہ، کی صورت میں شرک کا گڑھ بن چکی ہیں منبروں سے شرکیہ کلمات بلند ہوتے ہیں سپیکروں سے شرکیہ نظریات کا ابلاغ کیا جاتا ہے ہر نیا حکمران سب سے پہلے شرک کے گڑھ علی ہجویری کے مزار پر حاضری دیتا ہے مزاروں پر ہونے والے تمام گناہوں کو مذہبی حیثیت دینے کا گھناؤنا کام کیا جاتا ہے چناچہ اس کی سزا کے نتیجے میں بدامنی کا عفریت ہمارے سر پر مسلط ہو چکا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالی خود فرماتے ہیں کہ

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔(طٰہٰ:۱۲۶)

مندرجہ بالا سطور میں پاکستان کے بے شمار مسائل میں سے چند ایک اہم مسائل کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی حقیقت تو یہ ہے کہ مسائل اس قدر زیادہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا

حل قرآن مجید میں اتنے جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ان کی تفصیل کے لئے کتابوں کی کئی کئی جلدیں بھی ناکافی ہوں گی ذیل میں قرآن مجید کی ایسی آیات پیش کی گئی ہیں جو مندرجہ بالا مسائل کے تناظر میں اصلاحِ احوال کے لئے ہر پاکستانی کو دعوتِ غور وفکر دے رہی ہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَ مَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ۔(الانعام:۱۰۵)

"اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرلے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرلے گا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں"۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔(رعد:۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلنا چاہے۔

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ۔ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ۔(الاعراف:۱۸۲۔۱۸۱)

"اور ہماری امت میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیات جھٹلائیں ہم انہیں بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ انہیں معلوم ہی نہ ہوگا"۔

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۔(النساء:۱۱۵)

"جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسروں کی راہ چلنے لگے اور ہم اس کو اس طرف لے جائیں گے جس طرف جانا اس نے پسند کیا ہے اور اسے

دوزخ میں پہنچادیں گے۔

پس چہ باید کردہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآئَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔(یونس:۵۷)

"اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہے ان کے لئے شفا ہے اور راہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔(النساء:۵۹)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو اگر تمہارا کسی معاملے میں اختلاف ہو تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو یہ بڑی اچھی بات ہے اور اس کا بھی اچھا ہے۔

وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔(الحشر:۷)

" اور جو کچھ تمہیں رسول دے وہ لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔(محمد:۳۳)

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد نہ ہونے دو"۔

اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ۔(الانفال:٢٤)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جس وقت تمہیں اس کام کی طرف بلاتے ہیں جس میں تمہاری زندگی ہے"۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۚ اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِهِمَا ۟ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰۤی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَ اِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا۔ (النساء:١٣٥)

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اللہ کی طرف گواہی دو اگرچہ اپنی جانوں پر ہو یا ماں باپ یا رشتہ داروں پر اگر کوئی مال دار ہے یا غریب تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے سو تم انصاف کرنے میں اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

وَ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔(الاعراف:٥٦)

زمین پر اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اسے (اللہ کو) ڈر اور رغبت سے پکارو بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے نزدیک ہے۔

وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکۡفَرُ بِهَا وَ یُسۡتَهۡزَاُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِهٖ ۫ۖ اِنَّکُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡکٰفِرِیۡنَ فِیۡ جَهَنَّمَ جَمِیۡعًا۔(النساء:١٤٠)

"اللہ نے قرآن مجید میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کا انکار ہوتا سنو اور ہنسی مذاق ہوتا سنو تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتی کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں ورنہ تم

بھی ویسے ہی ہو جاؤ گے اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے"۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُونَ۔(الانفال: ۲۱)

"اے ایمان والو! ان لوگوں کی مانند نہ ہو جاؤ جو کہتے تو یہی ہیں کہ ہم نے (اللہ کی آیات کو بغور) سن لیا حالانکہ وہ سنتے نہیں"۔

وَ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (ال عمران: ۱۰۵)

"ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہو گئے دراصل یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے عذابِ عظیم مقرر ہے"۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔(البقرہ: ۱۲۸)

"اے لوگو! ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال اور پاکیزہ ہیں اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔(الاعراف: ۲۰۵)

اور اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو دل ہی دل میں آہ و زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہیں۔

نوید:

وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ۔ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ

أُولَٰٓئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ۔(الزمر:۱۸،۱۷)

''میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو (وعظ و نصیحت کی) بات ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں پھر اچھی نصیحتوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا ہے اور حقیقتاً اہل خرد ہیں''۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔(النحل:۹۷)

''اور جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور یہ کہ نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے''۔

۳۰ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

ملکی استحکام کے لئے درکار مدت

ملکی استحکام سے مراد ملکی عمارت کا ان بنیادوں پر استحکام ہوتا ہے جن پر وہ وجود میں آتی ہیں پاکستان کے متعلق یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ اس کی بنیاد کلمہ طیبہ تھا اس کا خمیر دوقومی نظریئے سے گوندھا گیا تھا اس کی تحریک کو پروان چڑھانے والے عوامل اخوت اسلامی کے جذبے پر مبنی تھے۔

ملکی استحکام کے ان پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر پاکستان کی باوان سالہ (بلحاظ اسلامی تقویم) زندگی کا جائزہ لیں تو نتیجہ صفر سے شاید ہی کچھ زیادہ نظر آئے پاکستان دینی ریاست بنا تو درکنار دنیاوی اعتبار سے بھی قابلِ رشک ترقی نہیں کر سکا مہنگائی کا عفریت منہ پھاڑے ہوئے ہے قتل وغارت گری میں اضافہ ہو رہا ہے، بیوروکریسی کے ہاتھوں ظلم کے بازار گرم ہے معیشت کا پہیہ سیدھا چلنے کی بجائے الٹا چل رہا ہے اخلاقی حالت دگرگوں اور دینی حالت قابل صد حف ہے۔

باون سال تو یوں کی زندگی کا رخ واضح کر دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں پاکستان کی مختلف حکومتوں کا دورانیہ چھ ماہ کا مختصر عرصہ بھی رہا اور گیارہ سال کا طویل عرصہ بھی لیکن اس کے باوجود کوئی حکومت بھی پاکستان کو اسلامی فلاحی مملکت بنا کر استحکام نہ بخش سکی۔

ناکامی کی وجوہات مختلف بیان کی جاتی ہیں مگر ایک وجہ پر تمام سیاستدانوں کا اتفاق ہے اور وہ ہے ''وقت کی کمی'' ......حکومت میں ہو تو غدار ہوتا ہے تو کیا کریں؟ پچھلی حکومت کی

بدعنوانیاں ختم ہونے میں نہیں آرہیں آخر ہم غریبوں کے مال کی لوٹ کس طرح گوارا کر سکتے ہیں ان کا احتساب ہو۔

تو کسی اور طرف توجہ دیں نا! گویا
ہم تو بھگت رہے ہیں انہی کا کیا دھرا
اس واقعے میں ان کی سیاست کا دخل ہے
بچے کے ہاتھ سے جو دہی گر پڑی ہے آج
اسمیں تمام پچھلی حکومت کا دخل ہے

اقتدار سے بے دخلی کا دور ہو تو عذر پیش کیا جاتا ہے کہ کیا کرتے وقت کم تھا اور کام زیادہ، سابقہ حکومت نے ہر شعبے میں جو ابتری پھیلا رکھی تھی اسے دور کرنے میں ہی وقت گزر گیا کچھ وقت ملتا تو پھر لوگ دیکھتے ہم کیا نہ کرتے۔ وقت کی کمی کا یہ عذر سن کر اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی اصلاحات تاریخ کے صفحات پر جھمگانے لگتی ہیں انہیں جن حالات میں خلافت ملی، غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ملکی استحکام کی راہ میں ان کی مشکلات آج کے حکمرانوں سے کہیں زیادہ تھیں جزیرہ عرب، عراق، شام، ایران، خراسان اکثر وسط ایشیائی ریاستوں، اندلس، شمالی افریقہ، خلیج فارس کی ریاستوں اور سندھ پر مشتمل وسیع مملکت گویا پاکستان کے سائز کے کم از کم بیس ممالک ان کی سلطنت میں شامل تھے اسی تناسب سے ان کے زیر احتساب سیاستدانوں، بیوروکریسی، اور ملازموں کی نسبت بہت طویل تھی۔

سالہا سال سے بدعنوانی کی ڈگر پر چلنے کی عادی بیوروکریسی کو نکیل ڈالنا آسان نہ تھا حدودِ سلطنت کی وسعت کی بناء پر سیاستدانوں کی لوٹ مار آج کے دور سے بہت زیادہ ہوگی خود عمر بن عبدالعزیزؒ کے بقول امتِ مسلمہ کا قریباً نصف یا دو تہائی مال جائیدادوں اور رقوم کی شکل میں حکمران طبقے کے قبضے میں تھا۔

حکمرانوں کے ظلم وستم کا مقابلہ بھی عمر بن عبدالعزیز کے عہد کے حکمرانوں سے کون کرسکتا ہے ان کے عمال میں آل عقیل (حجاج بن یوسف وغیرہ) جیسے عمال شامل تھے فتوحات کی بناء پر نومسلموں کی کثرت الگ مسائل پیدا کررہی تھی جن کے پاس دین کا علم تھا نہ پختہ ایمان حکمران طبقہ اپنی اور اپنے اقرباء کی جیبیں بھرنے کے علاوہ اور کچھ نہ جانتا تھا۔

آج ہی کی طرح قومی خزانہ حکمرانوں کی عیاشیوں کی نذر تھا شاہی کروفر کا اظہار آج ہی کی طرح ذاتی محافظوں (Body gards) کے ہجوم کی صورت میں کیا جاتا مہنگائی آسمان سے باتیں کررہی تھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جن قوم کا نصف یا دوتہائی ناجائز طریقے سے ایک ہی طبقے کے قبضے میں ہو اس کی معاشی بدحالی کا کیا حال ہوگا۔

یادرہے کہ پاکستان کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی دوتہائی دولت صرف چند خاندانوں کے قبضے میں ہے۔ ہر سال بجٹ میں حکومتی ارکان کی عیاشیوں کی قیمت وصول کرنے کے لئے مہنگائی کے بوجھ سے جھکی ہوئی عوام کی کمر پر مزید ٹیکسوں کے بوجھ لاد دینے کی روایت ہے عمر بن عبدالعزیزؒ کو وراثت میں ملنے والی حکومت کی روایت بھی یہی تھی لیکن ان نامساعد حالات کے باوجود عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت ملتے ہی مملکت اسلامیہ کے استحکام کی خاطر اس کی ان بنیادوں کو مستحکم کرنے کا آغاز کردیا جن پر اس کی عمارت رسول مکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے استوار کی تھی۔

سابق خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی تدفین کے بعد حسب روایت واپس کے لئے شاہی سواری آئی تو فرمایا'' لے جاؤ میرے لئے میرا خچر ہی کافی ہے'' گویا امیر کے اسلامی تصور'' خادم المسلمین'' کے عملی اظہار کا آغاز کردیا خلیفہ اور عوام کے درمیان امتیاز کی روش ختم کردی۔

خلافت کی بجائے بادشاہت رائج ہوگئی تھی لہذا پہلا کام'' ورثہ'' میں ملنے والی خلافت

کا قلادہ گلے سے اتارنے کا کیا اسلامی طریقے کے مطابق دوبارہ لوگوں نے منتخب کیا تو یہ منصب قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی گویا حکومت ملتے ہی پہلے ''نظام سیاست'' کا قبلہ درست کیا۔

ہمارے ہاں ہر نئی حکومت سابقہ اراکین حکومت کے حاصل شدہ ناجائز قرضوں اور جائیدادوں پر مبنی ''قرطاس ابیض'' شائع کر کے لٹیروں کے احتساب کا اعلان کرتی ہے مگر یہ اعلان ''چار دن کی چاندنی'' بھی ثابت ہونے میں ناکام رہتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے ''قرطاس ابیض'' شائع کیا نہ سابقہ حکمرانوں کی بدعنوانیوں کی تشہیر کی نہ لمبے چوڑے دعوے کئے سابقہ خلیفہ کی تدفین کے فوراً بعد حکمران طبقے سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ان لوگوں (حکمرانوں) نے ہمیں عطایا جائیدادیں دیں اللہ کی قسم نہ انہیں دینے کا حق تھا نہ ہمیں لینے کا اب میں ان سب کو ان کے اصلی حقداروں کو واپس کرتا ہوں اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں''۔

''اخلاص نیت کے حامل عمر بن عبدالعزیزؒ کو امت کا دوتہائی یا نصف مال اس وسیع مملکت میں پھیلے ہوئے مستحقین تک پہنچانے میں کتنی مدت لگی آج کے پانچ پانچ اور تین تین سال بھی ایوان اقتدار میں گزار کر وقت کی کمی کا شکوہ کرنے والوں کے لئے یہ باعث تعجب ہوگا ''خلافت ملنے کے دن ہی صرف نماز فجر سے لے کر نماز ظہر تک کا عرصہ''۔

کتب تواریخ میں منقول ہے کہ آپ نے مذکورہ بالا اعلان کے بعد اسناد شاہی کا خریطہ منگوایا ''مزاحم'' (پرسنل سیکرٹری) پڑھ کر سناتے جاتے عمر بن عبدالعزیزؒ انہیں قینچی سے کاٹتے جاتے فجر تا ظہر بیشتر کام ہو چکا تھا اپنے پاس ایک نگینہ تک نہ رہنے دیا اس کام کے لئے تحقیقاتی کمیشن بٹھانے کی ضرورت پیش آئی نہ سالہا سال تک ان کی جیبیں بھری گئیں نہ

دعوے کیئے گئے انہیں اس عمر میں خزانہ خالی ہونے کا خوف مانع ہوا نہ مالی مشکلات۔ کتب تواریخ میں موجود تفصیلات آج بھی عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے ایمانی عزم کے حامل حکمرانوں کو دعوت عمل دے رہی ہیں۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔

''پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا''۔

سیاستدانوں کو اتنے بڑے پیمانے پر احتسابی کاروائی سے اہم سیاسی شخصیات کی ناراضگی کا خطرہ ہوتا ہے عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی حکمران طبقہ ناراض ہوگیا لیکن ان کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ آئی۔

یادرہے کہ آج کے حکمران مسند اقتدار تک پہنچنے سے قبل عوام سے بے شمار وعدے کرکے انتخابی ادوار میں اپنے حق میں فضا بنا چکے ہوتے ہیں مگر عمر بن عبدالعزیزؒ کو منتقلی خلافت ہنگامی طور پر ہوئی تھی (اصولاً وہ ولی عہد نہیں تھے) ان کے حق میں فضا بنانے والی چیز صرف ان کی نیکی اور توکل تھا اور ''وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ''۔ ''اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے اسے وہی کافی ہوتا ہے''۔

چنانچہ بیوروکریسی کو نکیل ڈالنا چاہی تو آل عقیل جیسے سیدھے کردیئے اصلاح معیشت کے لئے نہ ''جمعے کی چھٹی'' منسوخ کرنے جیسے اقدامات کیئے نہ عوام سے سود پر قرضے لئے نہ بیرانی حکمرانوں کے پاس کشکول لے کر دوڑے ہاں یہ ضرور کیا کہ تمام ناجائز ٹیکس بند کردیئے ناجائز وصول شدہ املاک واپس کردیں ناجائز کاروبار (اسلام کی روح سے حرام مثلاً سٹے بازی، شراب نوشی، آج کی اصلاحات کی رو سے بیمہ، محفل ٹکٹ، انعامی بانڈز سگریٹ تمباکو، جوا، شراب، شطرنج، ٹی وی، سینما، بازار حسن وغیرہ) پر پابندی لگادی حکومت کے شکوہ وتجمل کے مصارف بند کردیئے شاہی اصطبل کے گھوڑے بیچ کر قیمت بیت المال

میں داخل کرنے کا حکم دیا خود اور اپنے بچوں کو پیوند لگے کپڑے پہنائے۔

عمر بن عبدالعزیز کی معاشی اصلاحات پر غور کریں تو آج کے حکمران اپنے بلند دعووں کے باوجود ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں معاشی اصلاحات کے مدعی ہونے کے باوجود "عیاشیوں" کے بازار کھلے رہتے ہیں ذرائع ضلالت وفحاشی، سیمنا، ٹی وی، ڈش انٹینا، وی سی آر، پر کوئی پابندی نہیں لگاتا۔

ایک فلم کی صرف عکس بندی پر لاکھوں روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔ دیگر اخراجات اس کے علاوہ ہیں فلمستاروں کے معاوضے لاکھوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ہر حکومتی کام میں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ باوجودیکہ ہمارے دین میں پانی کا اسراف بھی ایسے فضول کاموں میں بہانے کی اجازت نہیں۔

مختلف جشنوں، میلوں اور کھیلوں پر اربوں روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں چنانچہ بے ہنگم معاشی اصلاحات بجائے بہتری کے مزید ابتری کا سبب بنتی ہیں عمر بن عبدالعزیزؒ واقعتاً اصلاح کے خواہاں تھے لہذا انہوں نے معاشی اصلاحات کا وہ طریقہ اپنایا جس کی درستگی کا ضامن خود خالق معاش، اللہ تعالیٰ ہے ان کے فیصلے سطحیت کے حامل نہیں تھے انہوں نے جاگیریں واپس کیں تو زکوٰۃ وغیرہ کا نظام بھی بہتر بنایا کفایت شعاری کی اس قدر تلقین کی کہ ابو بکر بن حزم کو لکھا:

"قلم باریک کر لو سطریں قریب قریب لکھا کرو اپنی ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لو میں مسلمانوں کے خزانہ سے ایسی رقم صرف کرنا ناپسند کرتا ہوں جس سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے کوئی عامل بڑے کاغذ پر جلی قلم سے نہ لکھے"۔

خود آپ کے فرامین ایک بالشت سے زیادہ کے نہ ہوتے۔

دوسری طرف ہمارے ہاں روزانہ صرف ٹی وی اور ریڈیو میں خبریں سنانے کے لئے

ان کی تحریر ہی میں نہ جانے کتنا کاغذ ضائع کر دیا جاتا ہے فلموں اور غیر اسلامی مصنوعات کے بڑے بڑے سائن بورڈ زلو ہے کے قد آدم بورڈ اور تصویریں ضیاع نہیں تو اور کیا ہے؟

ملک کے طول وعرض میں فٹ پاتھوں پر بڑے بدحال اپاہجوں کے مقابلے میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کے اپاہجوں کی خوش حالی قابل رشک ہے جو سب کے سب بیت المال کے رجسٹر میں رجسٹرڈ تھے انہیں باقاعدگی سے وظیفہ ملتا تھا اور ذرا سی غفلت پر عمال کو سخت تنبیہ ہوتی مہنگائی کے خاتمے اور خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت سے سال قبل جو صدقہ لینے والے تھے اگلے سال دوسروں کو صدقہ دینے والے بن چکے تھے جبکہ یہاں پر آنے والا معاشی اصلاحات کا مدعی ہوتا ہے مگر اگلے سال اس کی غلط پالیسیاں اور اسلامی طرز معیشت سے روگردانی مہنگائی میں اضافے کا سبب بن کر سال بھر قبل صدقہ دینے والوں کو صدقہ لینے والا بنا چکی ہوتی ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ اگر نیت خالص ہو اور ادارے دنیاوی مقاصد کے لئے نہیں دینی مقاصد کے لئے مستحکم ہوں تو انقلاب زیادہ وقت کا متقاضی نہیں ہوتا اس کے لئے نماز فجر تا نماز ظہر کا عرصہ بھی کافی ہوتا ہے وقت کی کمی کا عذر بھی عذر لنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا انگریزی کا مشہور محاورہ ہے۔

Delay in justice is deny in justice. اسے لطیفہ کہیے یا کچھ اور کہ

چند ماہ قبل وزیراعظم صاحب کی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے گفتگو نظر سے گزری ڈاکٹر صاحب کے سودی نظام کے خاتمے کے مطالبے پر نواز شریف صاحب نے غالباً سال بھر کی اور شہباز شریف سے اڑھائی سال کی مہلت مانگی تھی ہمارے ہاں یہ مہلتوں کا سلسلہ ہی ختم ہونے میں نہیں آتا ہر حکمران مہلتوں کے پھندے میں قوم کو پھنسا دیتا ہے اور نتیجہ جوں کا توں رہتا ہے حکومت میں آنے کے بعد ہر کوئی پاکستان کو سویڈن بنانے کا مدعی

ہوتا ہے یا ایشین ٹائیگر بنانے کا مگر خاتمہ حکومت کے بعد نہ سویڈن بنا ہوتا ہے نہ ایشین ٹائیگر اور نہ ہی اسلامی مملکت پاکستان ہاں ''جمہوری'' پاکستان ضرور ہوتا ہے جس میں بقول عمر بن عبدالعزیزؒ کی اڑھائی سالہ قلیل مدت حکمرانی میں (گویا آج کے حکمرانوں کی عمومی مدت سے نصف) مملکت کو بخشا گیا استحکام آج بھی حکمرانوں کو (بشرطیکہ وہ واقعی ملکی استحکام چاہتے ہوں تو) قلت وقت کے عذر کو پاؤں تالے روندتے ہوئے دعوتِ عمل دے رہا ہے۔

رفقائے کار نہیں ملتے

چند دن قبل ایک دکان کے باہر یہ سائن بورڈ نظر آیا کہ "پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ تک ادھار بند ہے۔"

کسی ستم ظریف کا یہ جملہ واقعی اپنے اندر غور و فکر کے بہت سے پہلو رکھتا ہے۔ اس جملے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستانی عوام نفاذِ اسلام سے کس حد تک مایوس ہو چکے ہیں۔ نیز یہ کہ ہمارے حکمرانوں کے خلوصِ نیت کے متعلق ان کے خیالات کتنے نیک ہیں۔

کچھ بھی ہو یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں اکثر حکمران اور سیاست دان سوائے چند ایک کے نفاذِ اسلام کے نام پر منتخب کیے جاتے ہیں۔ انتخابی اکھاڑوں میں مختلف امیدواروں کی زبانیں اسلام کے نام پر ہی ووٹ کی بھیک مانگتی ہیں۔ بقول شاعر ؎

ہم اسی کے نام پر ہر وقت بہلائے گئے

آئے دن کے انقلاب اس نام پر لائے گئے

حاکمانِ وقت اسی کے نام پر آئے گئے

بجھ گیا سورج جب ان کا ساتھ ہی سائے گئے

منتخب ہونے کے بعد ہمارے حکمرانوں کی اولین تقریر میں نفاذِ اسلام کے متعلق وعدہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض حکمرانوں کی تقریر پر تو عمر بن عبدالعزیز کی اولین تقریر کا گمان ہوتا ہے مگر نتیجہ وہی رہتا ہے ڈھاک کے تین پات!

ان لوگوں کو منتخب ہونے کے بعد اپنے حامیوں میں وزارتیں تقسیم کرنا، انہیں مالی فوائد

پہنچانا ،مختلف جگہوں پر افتتاحی تقریبات کرنا ،ملکی و غیر ملکی دورے کرکے خود کو اہم شخصیات ثابت کرنا ،غرض سب کچھ یاد رہتا ہے لیکن نفاذِ اسلام کا وعدہ آہستہ آہستہ ان کے پس منظر میں غروب ہوتا چلا جاتا ہے ،اگر کچھ لوگ ہمت کرکے انہیں وعدہ یاد دلائیں تو اپنے پیشروؤں سے سنا ہوا جواب ملتا ہے کہ رفقائے کار نہیں ملتے ۔نفاذِ اسلام سے اجتناب کرنے کے اس عذر کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی قیامِ پاکستان کی ۔حکمرانوں کو پسندیدہ شخصیت ماننے والے لوگ عوام کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ صاحب تو بہت مخلص ہیں مگر ''رفقائے کار نہیں ملتے''۔

رفقائے کار یقیناً کسی بھی نظام میں بہت اہمیت رکھتے ہیں ۔اکیلا آدمی واقعی کچھ نہیں کر سکتا ۔ایک وسیع مملکت کے کونے کونے میں قانون کی پابندی کروانے کے لیے تعاون کرنے والے افراد کا ہونا ضروری ہے ۔

مگر یہ افراد کہاں سے آئیں؟اس سوال کو جتنا مشکل سمجھا جاتا ہے یا جان بوجھ کر مشکل پیش کیا جاتا ہے؟یہ سوال حقیقتاً اتنا مشکل نہیں ہے ۔ظاہر ہے کہ افراد باہر سے نہیں اندر ہی سے مہیا کیے جائیں گے ۔نیز یہ کہ نئے افراد پیدا کرنے کے بجائے پہلے سے تجربہ کار افراد کو راہِ راست پر لانے سے ہی کام بنے گا ۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا تھا ''اگر حکمران سیدھا ہوگا تو باقی لوگ خود بخود سیدھے ہو جائیں گے ۔چنانچہ اگر ایک حکمران اسلامی نظام کی بات کرتا ہے تو اسے سب سے پہلے اپنی ذات میں اسلام کے مطابق تبدیلی لانا ہوگی ۔وہ اپنے حلیے کو سنت کے مطابق بنائے گا ،داڑھی بڑھائے گا ،مونچھیں ترشوائے گا ،عیسائیوں کا لباس پینٹ کوٹ اتار پھینکے گا ۔نمازوں کی پابندی کرے گا نیز ہر معاملے میں اس بات پر توجہ دے گا کہ وہ کوئی خلافِ اسلام کام تو نہیں کر رہا؟

ساتھ ہی فوراً وہ اپنے اہلِ خانہ کو بھی اسلامی احکام و آداب کی پابندی کروائے گا ۔

ہمارے سامنے عمر بن عبد العزیز کا نمونہ موجود ہے۔وہ خلیفہ بننے سے پہلے اتنے نازک مزاج تھے، کہ خلیفہ بننے کے بعد انہوں نے کسی کپڑے کو نرم کیا تو ان کا غلام ہنس پڑا اور کہنے لگا ایک وقت وہ تھا کہ آپ کو یہ کپڑا کھردرا لگا کرتا تھا۔یاد رہے کہ اپنی ذات میں اسلامی احکام و آداب کے مطابق تبدیلی پیدا کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ نفاذِ اسلام کا وعدہ کرنے والے خود بھی نفاذِ اسلام پر مطمئن اور کاربند ہیں ورنہ نفاذِ اسلام کا وعدہ منافقت کی کھلم کھلا دلیل بلکہ سفید جھوٹ ہوگا۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے رفقائے کار تلاش کرنا مشکل نہیں بشرطیکہ نیت صادق ہو۔پاکستان بھر کے ہزاروں علماء کے سینے میں نفاذِ اسلام کی خواہش کی چنگاری سلگ رہی ہے اور وہ اس میں تعاون کے لیے تیار ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ تعاون کرنے والوں کے ساتھ خود حکمران بدنیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے افراد کو اتھارٹی کی حیثیت قرار دیتے ہیں جو اسلامی نظامِ معاشرت سے خود ہی بدظن ہوتے ہیں۔

چنانچہ جب شوریٰ قائم کی گئی تو جلیل القدر علماء پر خواجہ صفدر اور اقبال احمد خاں جیسے آدمیوں کو مقرر کیا گیا۔

مصطفیٰ کمال نے جب اپنے ملک کی کایا پلٹی اور لادینیت اور مغربیت کو یک قلم پورے ملک میں نافذ کر دیا، مسجدیں بند کر دیں، عربی کتابیں اور عربی رسم الخط بند کر دیا، ترکی ٹوپی پہننا جرم قرار دیا گیا اور انگریزی ہیٹ پہننا تہذیب کی علامت کہا گیا، جب عورتوں کو نقاب اوڑھنے سے جبراً روک دیا گیا، نکاح جیسے اہم اسلامی قانون کو صرف ایک معاہدے کی شکل دے دی گئی، داڑھی رکھنا جرم قرار دیا گیا تو اس نے رفقائے کار کہاں سے لیے؟

کیونکہ اس کے حامی افراد بہت تھوڑے تھے اور مخالفین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔اصل بات یہ کہ ہر حکمران کو حامی بہت کم ہی ملا کرتے ہیں۔نفاذِ اسلام کے معاملے میں حکمرانوں

کی یہ خوش نصیبی ہے کہ ان کے حامی عوام ہوں یا علماء بہت زیادہ ہیں۔ مصطفیٰ کمال نے جب انقلاب لانے کا ارادہ کیا تو ملک میں ہنگامی حالت کا نفاذ کر دیا، نئی زبان، نیا قانون، نیا رسم الخط، سب کچھ ایک محدود عرصے کے اندر اندر سیکھنے کے احکامات جاری کر دیے، وہ شخص اپنی لادینیت کی جڑیں ایسی مظبوط کر گیا کہ اس کی سیکولر فوج پروردہِ کمال، اربکان کو سانس نہیں لینے دے رہی۔

پاکستان میں بھی یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے کہ تمام محکموں کو ایک معینہ مدت تک کے لیے سب کچھ چھوڑ کر اسلامی نظام کے مطابق متعلقہ شعبہ سے متعلق احکامات پڑھنے پر پابند کیا جائے۔انہیں قرآن وحدیث کی تعلیم دی جائے، اس دوران ہنگامی حالت اٹھا کر اسلامی نظام کا نفاذ کر دیا جائے۔یاد رہے کہ یہ ہنگامی حالت کے نفاذ کا اقدام جزوی طور پر دنیا کے تمام ممالک میں کرنے کا دستور پہلے سے موجود ہے۔

اس وقت ہماری حکومت کے اکثر شعبوں کے اعلیٰ عہدے دار ناظرہ قرآن مجید بھی پڑھنا نہیں جانتے مفت ترجمہ تو بہت دور کی بات ہے۔نیز ہر شعبے کے متعلق اسلامی قانون کی تعلیم موت دی جائے۔

☆ تاجر کو اسلامی طریق تجارت پڑھایا جائے

☆ ڈرائیور کو ڈرائیونگ کے اسلامی آداب سکھائے جائیں

☆ صحافی حضرات کو اسلامی صحافت کی تعلیم دی جائے

☆ پولیس کو اسلامی ادوارِ حکومت کی پولیس کے طریق کار کا مطالعہ کروایا جائے

☆ فوج کو باقاعدہ اسلامی نظریہ جہاد کے مطابق مشقیں کرائی جائیں۔

پھر دیکھیے کہ رفقائے کار ملتے ہیں یا نہیں؟ عزم راسخ ہو تو سہی ؎

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

راست اقدام

علماء کی فضیلت واہمیت سے انکار کیسے ممکن ہے۔ یہ علماء ہی ہیں جو معاشرے کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھتے ہیں۔ ہر طرح کی صعوبتیں سہہ کر بھی 10 علاءِ کلمۃ الحق کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔ان کے راستے میں حکمرانوں کے کوڑے رکاوٹ بنتے ہیں نہ قید و بند کی مصیبتیں، انگریزوں کے کالا پانی کی جلاوطنی دیوار بنتی ہے، نہ اشتراکیوں کے چنگیزی ظلم وستم سیاستدانوں کے فسطائی ہتھکنڈے راستے کا پتھر بننے میں کامیاب ہوتے ہیں نہ موت کا خوف۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

علماء کی یہی وہ صفاتِ عزیمت ہیں جو انہیں علماء کہلوانے یا علماء کا درجہ دلوانے کا مستحق بناتی ہیں۔علماء ان صفات سے محروم ہو جائیں تو ان سے ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ﴾ (اللہ سے صرف اس کے عالم بندے ڈرتے ہیں) کی دستارِ فضیلت چھن جاتی ہے ﴿ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ [کیا صاحب علم اور وہ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں۔] ۱ کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے ﴿یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات﴾ ۲ کا اعزاز چھین لیا جاتا ہے ﴿فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ۳ کی سند منسوخ ہو جاتی ہے ﴿قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنِیْ

وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾[4] کے درجہ سے محروم کردیا جاتا ہے اور ﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾[5] کا اختصاص ختم ہوجاتا ہے۔

غرض یہ کہ باطل کے خلاف تب وتاب ''ہی میں'' ''رسوخ فی العلم'' کی صفت سے متصف حقیقی علماء کی عالمانہ زندگی کی شان مضمر ہے۔

انہی صفات کی بناء پر قوم کی حالت پر علماء ایک عام فرد سے کہیں زیادکڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ان کا وسیع علم انہیں قوم کی ابتر حالت کے ان تاریک گوشوں سے بھی آشنا کروادیتا ہے جس سے کم علم مسلمان محروم رہتے ہیں۔

تاریخ کے تمام نازک لمحات اس کی دلیل ہیں، سقوط غرناطہ کا سانحہ ہو یا وسط ایشیائی ریاستوں سے محرومی کا حادثہ۔ ہر جگہ اپنے خون کا آخری قطرہ بہہ جانے تک (عمومی مسلمانوں کے ہمت ہار جانے کے بعد بھی لڑنے والے مجاہدین) علماء ہی تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد اب تک نفاذِ اسلام کی تمام کوششیں علماء ہی کی جدوجہد پر مشتمل ہیں۔ دینی جماعتوں، اسلامی نظریاتی کونسل اور مختلف تنظیموں کے ذریعے انفرادی اور اجتماعی کوششیں حکمرانوں کی بدنیتی کی بناء پر بارآور نہ ہوسکیں چنانچہ قوم دن بدن تیزی سے مائل بہ زوال ہے۔ قتل وغارت گری، فرقہ واریت، کے نام پر طاغوتی طاقتوں کی سازشیں اور مسلمانوں کو مولوی یا علماء سے متنفر کرنے کی کوششیں، اخلاقی حالت کا زوال، معاشی پسماندگی، غرض ہر پہلو سے پاکستانی قوم کی حالت اہلِ دل کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کردیتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ علماء کی تمام تر کوششوں کے باوجود طاغوتی قوتوں کا اگلا ہوا لقمہ علماء پر الزام تراشی اور معاشرے میں موجود تخریب کا علماء ہی کو موردالزام ٹھہرانا عمومی رجحان بن چکا ہے۔ پاکستانی قوم کے اعمال منطقی کے انجام سے بچنے کا واحد حل صرف اور صرف علماء ہی کے پاس ہے اور وہ ہے اسلامی نظام کا نفاذ، جس کے ذریعے سعودی عرب اور

سوڈان کی طرح مکمل امن وامان ہوسکتا ہے۔

علماء پر فرقہ واریت کا الزام پرانا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ نفاذِ اسلام کے لئے علماء متحد ہو کر بھی بار بار جدوجہد کر چکے ہیں۔حال ہی میں تمام مکاتب فکر کے علماء کو ''ملی یکجہتی کونسل'' کے پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو چکے ہیں، نیز خلافت کی بازیابی کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی تمام مکاتب فکر کے علماء کو اکٹھا کیا۔''اسلامک ہیومن رائٹس'' کا مباحثہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔یوں تو ہر مسلمان کی زندگی کا بنیادی مقصد اپنے ملک میں نفاذِ اسلام کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا ہے لیکن علماء پر ان کی ''عالمانہ شان'' مزید یہ ذمہ داریاں عائد کرتی ہے کیونکہ اپنے ان فرائض سے روگردانی قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں مذکور احبار ورہبان کا مصداق بنا سکتی ہے:

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔(مائدہ: ٦٣)

''کیونکہ ان کے علماء اور مشائخ انہیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے۔یقیناً بہت ہی برا ہے جو وہ کر رہے ہیں''۔

پاکستان کی باون سالہ تاریخ میں علماء کی تمام تر کوششیں سنجیدہ پہلوؤں تک محدود رہیں مگر ثابت ہو چکا ہے کہ ''لاتوں بھوت باتوں سے نہیں مانتے'' کے مصداق حکمران کبھی بھی شرافت سے اسلامی نظام کے نفاذ پر تیار نہیں ہوں گے۔دوسری طرف یہ مسئلہ مسلمان کی زندگی کا ایسا سنگین مسئلہ ہے کہ اس کے لئے انتخابی مراحل کے ذریعے مسندِ اقتدار تک پہنچ کر اور اسلامی نظام نافذ کرنے کا انتظار کرنا بھی غیر متعین طویل مدت کا متقاضی ہے، جو نہ جانے کب ختم ہو۔اس کا تو ایک ہی حل ہے کہ نفاذِ اسلام کے لئے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات کئے جائیں۔

آج کل مختلف شعبے اپنے مطالبات منوانے کے لئے راست اقدام Direct Action اور ہڑتالوں کا حربہ اختیار کرتے ہیں جو قریباً 99% کامیاب رہتا ہے اگرچہ ہڑتال اسلامی حوالے سے مستحسن نہیں لیکن ایک جمہوری معاشرے میں اس کی اہمیت سے انکار بھی ممکن نہیں ۔خود جماعت اسلامی اس کا عملی مظاہرہ اور تجربہ بارہا کر چکی ہے۔ سابقہ حکومت کی برطرفی میں جماعت اسلامی کے دھرنوں کی افادیت سے انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ اس حوالے سے علماء کرام کی خدمت میں چند گزارشات پیش ہیں:

مسلمانوں کی زندگی کے بعض فرائض کی تکمیل علماء یا مولوی سے کروانا ضروری سمجھا جاتا ہے مثلاً نکاح، بچے کے کان میں اذان ،تحنیک ،جنازہ،امامت ،مردہ کو غسل وغیرہ۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ سب علماء متحد ہو کر نفاذ اسلام کروانے کا تہیہ کرلیں اور جب تک حکومت اسلام کا مکمل نفاذ نہ کرے اور اس کے عملی نتائج بھی فوراً نظر نہ آنے لگیں (مثلاً حدود کا اجراء، حکمرانوں کے طرزِ معاشرت میں تبدیلی ،بازارِ حسن کی بندش، سینما پر پابندی وغیرہ) اپنے موقف سے نہ سرکیں۔ مندرجہ بالا ذمہ داریوں کی انجام دہی سے انکار کر دیں۔دھرنے دیں اور پر امن جلوس نکالیں۔ جب سیاستدانوں کے اپنے جنازے بے گوروکفن پڑے رہیں گے۔شادیاں رک جائیں گی۔ بچے کے کان میں اذان نہ دی جائے گی تو خود ہی انہیں معاملے کی نزاکت کا احساس ہوگا۔

نفاذ اسلام ایک ایسا نکتہ ہے جس پر کوئی بھی مسلمان خواہ کیسا ہی بدنیت کیوں نہ ہو برملا اظہارِ اختلاف نہیں کر سکتا۔علماء یہ عملی اقدام کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عوام ان کا ساتھ نہ دیں۔ پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی علماء نے ذاتی اختلافات سے بالاتر ہو کر اسلام کے لئے کام کیا، عوام نے ان کا ساتھ دیا۔اس کی ایک مثال ''ملی یکجہتی کونسل'' کی

اپیل پر ناموسِ رسالت کے لئے ملکی تاریخ کی واحد کامیاب ترین ہڑتال تھی۔

تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے موقع پر علماء نے پہلے بھی یہ کوشش کی مگر تب غلطی یہ ہوئی کہ وہ حکمرانوں کے بتدریج ''نفاذِ اسلام کے دھوکے میں آ گئے'' حالانکہ تکمیلِ دین کے بعد بتدریج عمل یعنی رک رک کر نفاذ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی لئے اللہ نے کہا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ۔(٦١)

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول ﷺ کی طرف آؤ تو تم منافقین کو دیکھتے ہو کہ تم سے کترا جاتے ہیں''۔

وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے تمام حکمران عوام اور علماء کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں مصروف ہیں مگر پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ اس سے قبل کہ اللہ کی دی ہوئی مہلت ختم ہو جائے، علماء کو چاہیے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنا قائدانہ کردار ادا کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ، فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ، هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۔(البقرۃ:٢٠٨۔٢١٠)

''اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جو صاف صاف ہدایات تمہارے پاس آ چکی ہیں ان کو پا لینے کے بعد جو تم نے لغزش کھائی تو خوب جان رکھو اللہ سب پر غالب ہے اور حکیم و دانا ہے (ان ساری نصیحتوں کے بعد ہی لوگ سیدھے نہ ہوں تو) کیا اب وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں کے سائے میں فرشتوں کے پرے ساتھ لئے خود سامنے آ موجود ہو اور فیصلہ

ہی کر ڈالا جائے۔''

۲۔اللہ تم میں سے ایمان والوں اور ان کے جو علم دیئے گئے درجات بلند کرے گا۔ (المجادلہ،۱۱)

۳۔اگر تم نہیں جانتے تو اَهـلُ الـذِّكـر (جنہیں دینی تعلیمات کا علم ہو) سے پوچھ لو۔(النحل،۴۳)

۴۔اللہ نے خود اس کی شہادت دی ہے کہ اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں اور فرشتے اور علماء بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں۔(آل عمران،۱۸)

۶۔کہہ دیجیے مجھ میں اور تم میں اللہ گواہی دینے والا کافی ہے اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔(الرعد،۴۳)

دوقومی نظریئے سے غداری کا نقطہء آغاز

قیام پاکستان کے بعد دوقومی نظریئے سے روا رکھے جانے والے سلوک کو دیکھیں تو اس کی اس مضبوط، بلند وبالا، گھنے سایہ دار درخت کی سی محسوس ہوتی ہے جو اپنے زیر سایہ اقرار، میں بیٹھنے والوں کو تو گرمیوں کی دوپہر میں لُو، حبس اور تمازت سے بچانے کا فریضہ انجام دیتا ہو جس نے اپنے بازوؤں ہر ایک کو سایہ عاطفت وعافیت میں لینے کے لئے واکر رکھے ہوں لیکن......اس کے سایے میں بیٹھنے والے احسان فراموشی کی حد کرتے ہوئے اس کی جڑوں پر کلہاڑی مار کر انہیں کمزور کرنا اپنا فریضہء منصبی سمجھتے ہوں۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ دوقومی نظریہء پاکستان کو دنیا کے نقشے پر معرض وجود میں لانے کا واحد سبب بنا؟

کیا یہ حقیقت نہیں کہ کروڑہا مسلمانوں نے قربانیاں صرف دوقومی نظریہء کی خاطر ہی دیں۔

کیا یہ بھی ایک حقیقت نہیں کہ انگریزوں اور ہندوؤں کی اکثریت کے ظلم وستم سے نکال خطۂ پاکستان جیسا خطۂ ارضی جس میں ہم امن وسکون کی فضا میں سانس لے سکیں عطا کرنے والا دوقومی نظریہ ہی تھا۔

کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ آزادی کا بیج بونے والی تحریکوں تحریک خلافت، مسلم علی گڑھ یونیورسٹی، تحریکِ ہجرتِ افغانستان، اور تحریک خاکسار وغیرہ دراصل دوقومی نظریئے ہی کا

ایک پہلو ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں سیاسی شعور کا سبب بنیں۔

کیا یہ بھی دوقومی نظریہ کا کرشمہ نہیں تھا کہ ہمارے راہنماؤں نے تحریک پاکستان کے دوران مسلم اقلیت کے علاقوں میں بھی مسلمانوں سے انتخاب میں واضح اکثریتی ووٹ حاصل کیے۔

کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ پاکستان کو وجود میں لانے کے لئے متحرک جماعت ''مسلم لیگ'' کے منشور کا اس دور میں مختصر، جامع اور آسان نام دوقومی نظریہ ہی قرار پایا۔

کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ مسلم لیگی کارکنوں بالفاظ دیگر مسلمانوں کو سرگرم عمل کرنے والا دوقومی نظریہ کی اساس کلمہ طیبہ ہی تھا۔

کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ تحریک پاکستان کے دوران برصغیر پاک وہند کے گلی کوچوں کے درودیوار دوقومی نظریئے کی بنیاد ''کلمہ طیبہ'' ہی سے گونج اٹھے تھے۔

کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ تحریک پاکستان کے دوران ہمارے راہنماؤں نے واشگاف الفاظ میں بارہا اعلان کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

چین وعرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو جمعیت بھی گئی

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

نہ ہندی وہ خبراسانی یہ افغانی وہ تورانی
غبار آلودہ رنگ ونسب ہیں بال و پر تیرے

تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

نیز:

''ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں زبان وادب ،فنون لطیفہ ،فن تعمیر ،نام ونسب ،شعور ،واقدار وتناسب ،قانونی واخلاق رسم و رواج ،تاریخ وروایات اور رجحان ومقاصد ہر ایک لحاظ سے ہمارا انفرادی زاویہ نگاہ فلسفہ حیات ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو سلامی دینے کے لئے تیار ہے۔''

(ایسوسی ایڈ پریس امریکہ قائداعظم کا دیا ہوبیان یکم جولائی ۱۹۴۲ء)

''پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید پر ہے وطن نہیں اور نہ ہی نسل ،ہندوستان کا پہلا مرس مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا ہندوستان میں ایک نئی قوم وجو میں آ گئی۔'' (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء)

''آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرک کیا تھا مسلمانوں کے لئے

ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔''

غور کیا جائے تو دوقومی نظریئے پر مشتمل اس دور کے مسلمانوں میں کروٹ لینے والا جذبہء تحریک دراصل آج سے چودہ سو سال قبل نازل ہونے والے قیامت تک کے لیے ضامن ہدایت قرآن مجید کے فرمان:

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴾

''تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین''۔

یاد رہے کہ دین کا مفہوم نظام حیات کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے کی تعمیل کا تسلسل تھا۔

اس نقطہء خاص کیلئے پر مسلمان کو مالی و جانی قربانیاں پیش کر دینے کا سبب کلمہء طیبہ میں اقرار رسالت پر مشتمل حصے کی عظمت پر ایمان کا عملی مظہر تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان!

''جس نے کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے''۔

میں مضمر حکم رسالت مآب ﷺ کی اطاعت کی ایک عمدہ مثال رہتی دنیا تک قائم کر دی مگر افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد ہم نے انتہائی طوطا چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اس عظیم محسن سے نگاہیں پھیر لیں اگر یہ کہا جائے کہ ہندو بنئے کی عیاری کے متعلق مشہور ضرب المثل ''بغل میں چھری منہ میں رام رام'' کو ہم نے اس حوالے سے سچ کر دکھایا تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

دوقومی نظریئے یا نظریہ پاکستان کے گن تو ہم گاتے رہے قرآن مجید کی آیات، فرمان رسول اللہ ﷺ علامہ اقبال کے اشعار ہماری تقاریر و تحاریر کی زینت تو بنے رہے مگر ہمارے کردار و اعمال اس کی جھلک پیش کرنے سے قاصر ہی رہے مضمون کے آغاز میں دی گئی

مثال کیا واقعی ہمارے طرز عمل کی آئینہ دار نہیں ہم نے قومی زندگی کے ہر قدم پر اس سے غداری کا بدترین ثبوت دیا ۔

دستو بناتے ہوئے اسلامی احکامات کا نفاذ کی خوب مخالفت کی قیام پاکستان کے فوراً بعد ناشائستہ گان جیسے غیور مسلمانوں کو نفاذ اسلام کا وعدہ یاد دلانے پر جلاوطن کر دیا گیا۔
(بحوالہ آسان مطالعہء پاکستان برائے ایف ۔اے عبدالقادر خان)

مولانا مودودیؒ اور ان کے رفقاء جیسے صاحبان علم و عمل کو نفاذ اسلام کا مطالبہ کرنے پر انگریز ہی کے بنائے ہوئے سیفٹی ایکٹ کے تحت پابند سلاسل کر دیا گیا گویا اسلام کے نام پر بنائے ہوئے اس ملک میں اسلام کے نفاذ ہی سے سیفٹی پا ہی گئی علماء کی انتھک جدو جہد کی وجہ سے دستور میں اللہ تعالی کی حاکمیت اعلیٰ کی کوشش شامل کرنا پڑی تو بھی اسے بے اثر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے حقیقتاً حاکم اعلیٰ کو حقیقت اپنی خواہشات اور کرسی واقتدار کے حصول ہی کو دی گئی۔

اسوہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کے لئے بنائے جانے والے اس ملک میں کیا کیا نہ کی گیا ؟ چشم فلک نے بالآخر ختم بنوت کا اور تو اور...... ہمارے مہربانوں نے پاکستان کے نام سے اسلام کا سابقہ بھی اتارنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

نفاذ اسلام کی خواہاں تحریکوں کو بنیاد پرستی کا نام دے کر دبانے کی سازشیں کی گئیں ۔نوبت تو یہاں تک پہنچی کہ پاکستانی افواج کے اعلی عہدے داروں سمیت کئی افراد کو بنیاد پرستی کے فروغ اور کشمیری مسلمانوں کی امداد کے جرم میں پابند سلاسل کر دیا گیا۔

''دوقومی نظریے کے ساتھ اس غدارانہ برتاؤ کی نقطہء آغاز تلاش کرنا چاہئیں تو یقیناً ہماری نگاہیں اس ۴۹ سالہ دور میں کی گئیں غداریوں کی بے شمار خادراد جھاڑیوں کو روندتی ہوئی پاکستان کے مقرر کردہ یوم تاسیس تک جارکیں گی۔

پاکستان کا یوم تاسیس سن ہجری کے مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۶۸ھ اور سن عیسوی کے مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تھا۔

ہم نے دوقومی نظریئے نظریہِ پاکستان یا اپنے ایمانی منشور لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کی خلاف ورزی کی تحریر صفحہء تاریخ پر رقم کرتے ہوئے پاکستان یوم تاسیس اسلامی ثقافت کی آئینہ دار ہجری تقویم کی بجائے کفارانہ ثقافت کی آئینہ دار عیسوی تقویم کے مطابق مقرر کر دیا۔

اللہ تعالی کی اتنی بڑی عطاء مملکت پاکستان کے حصول کے بعد بھی ہم نے اس کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کے مندرجہ ذیل حکم کو پس پشت ڈال دیا۔ ''حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اللہ تعالی کے نوشتے میں بارہ ہی ہیں اور ان میں سے چار مہینے حرام ہیں یہی ٹھیک ضابطہ ہے' لہذا ان میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو''۔(توبہ)

اللہ تعالی کے دین سے خصوصی نسبت رکھنے والی بابرکت تقویم کو اختیار کرنے کی بجائے سابقہ حکمرانوں کی تقویم کو اختیار کر کے نئے عہد غلامی کا آغاز کر دیا فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے ہم زبردستی غلام بنائے گئے تھے اور اب کے غلامی کا طوق ہم نے اپنی خوشی سے زیب گلو کر لیا۔

مصور پاکستان کا سبق ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

چند لمحوں میں بھلا دیا اللہ تعالی کے حضور آزادانہ سجدے کی خاطر ہی تو اتنی قربانیاں دیں تھیں مگر افسوس! چند لمحوں کی آزادی ہمیں ایک آنکھ نہ بھائی اور اہم نے اللہ

خالق کی اطاعت کی بجائے اپنی خود ساختہ مجبوریوں کے پیش نظر اسلامی ثقافت کے اپنانے کو گراں قرار دیتے ہوئے کئی طاغوتی آقاؤں کی اطاعت کو شیوہ بنالیا۔

علامہ اقبال کے اس شعر کے مخاطب ہم بھی تھے ۔

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو

مجھ کو تو گلا تم سے ہے یورپ سے نہیں ہے

کلمہ طیبہ میں مضمر اقرار رسالت کی بجائے ہم نے نبی کریم ﷺ کی زندگی کے ایک اہم تاریخ ساز مرحلے ہجرت سے منصوب تقویم ترک کر کے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ سے برسر پیکار رہنے والی طاغوتی طاقتوں کی ثقافت کی آئینہ دار تقویم اختیار کر لی۔

محرم ،رجب، ذی قعد اور ذی الحجہ جیسے باحرمت مہینوں ربیع الاول جیسے پیغام بر سعادت مہینے اور شعبان ورمضان جیسے بابرکت مہینے پر مشتمل تقویم کو چھوڑ کر مشرکانہ تقویم گلے لگالی عیسوی تقویم کا مہینہ جنوری رومن دیوتا جینس سے، فروری رومی دیوی فیبر وآ سے، مارچ رومنوں کی دیوی میپا سے، جون جونو دیوی سے، جولائی رومن بادشاہ جونیس سیرز سے اور اگست آگسٹس سیرز سے منسوب ہے۔

(بحوالہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ مصنف عبدالرحمٰن کیلانی)

لہذا اب ہمارے ذہن بابرکت اسلامی مہینوں کی یاد سے معطر رہنے کی بجائے انگریزی مہینوں کے حصار ہی میں گردش کرتے رہتے ہیں اسلامی تقویم سے اب ہمارا تعلق صرف شب برأت کے حوالہ وغیرہ سے باقی ہے یوں ہم نے سیاست اور دین کے درمیان سیکولرانہ خط تفریق کھینچ دیا ایسے میں اقبال کا شعر صدائے احساس بلند کرتا ہو نظر آتا ہے۔

جلال بادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اپنے دین سے غداری کا نتیجہ کلاشنکوف کلچر اور دہشت گردی پر مشتمل چنگیزی ثقافت کی شکل میں رونما ہوا جدیدی دور کے حالات کے مطابق کبھی اسے کلاشنکوف کلچر اور کبھی دہشت گردی کا نام دیا گیا چیز تو وہی تھی کراچی اور سابق مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) دینا سلام سے غداری کر کے ہم نے اپنوں ہی کے ہاتھوں اذیت ناک زخم کھائے کراچی میں ایم کیو ایم کے بنائے گئے عقوبت خانوں، ڈرل مشینوں سے چھیدے گئے جسموں اور کیلوں سے دیواروں کے ساتھ پیوات کئے گئے جسموں کی تفصیلات چنگیزی ظلم وستم کی بھی مات کر رہی ہیں۔

۲۷رمضان المبارک کونعمتِ پاکستان ہمارے لئے ایک اعزاز تھا جس کی ناقدری میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی یہ وہی بابرکت دن ہے جس کی ایک رات کی عبادت ہزار راتوں کی عبادت سے بھی زیادہ فضیلت کی مستحق قرار پائی جس کی مقدس رات میں مانگی گئی دعا کو قبولیت کی خصوصی سند عطا ہوئی جسے مغفرت، رحمت اور دوزخ سے نجات دلانے والے مہینے رمضان کا دن ہونے کا شرف حاصل ہے جس میں حق و باطل میں خطِ امتیاز کھینچنے والا یوم الفرقان یعنی غزوہ بدر کا اہم دن آیا، اس قابلِ رشک دن کو یومِ نزولِ قرآن مجید ہونے کی سعادت حاصل ہے قرآن مجید جو تا قیامت ضامن ہدایت وسعادت ہے، اپنے اوپر یقین رکھنے والوں کے لئے نویدِ فلاح ہے جو عمل کرنے والوں کو زوال کی پستیوں سے نکال کر عروج کی بلندیوں تک پہنچانے والا عروۃ الوثقٰی ہے، جو رہتی دنیا تک کے لئے ایک ایسا سدابہار ضابطہء حیات ہے جس پر نہ تو جغرافیائی حدود اثر انداز ہوتی ہیں اور نہ ہی تیزی سے گھومتا ہوا چرخ وقت جو عرب جیسی بدو قوم کو بھی گمنامی اور لاقانونیت کی دلدل سے نکال کر دنیا کی اعلیٰ ترین متمدن قوم بنا دینے کا اعجاز رکھتا ہے جس کا دامن تھام لینے والوں کو ہر دور میں تمغہء عزت وشرف حاصل ہوا مگر چھوڑنے والوں کا مقدر ذلت ونکبت کا کلنکر ٹیکہ

بنا جو یوم نزول سے تا قیامت ایمان والوں کو تمام غلامیوں کی بیڑیوں سے آزاد کرا کے ایک اللہ کے در پر جھکا کر انہیں ابدی تکریم کا مستحق بناتا ہے۔

۲۷ رمضان المبارک انہی برکتوں، سعادتوں کا سحاب رحمت بن کر ہمارے لئے کفار کی غلامی کے بدترین دور سے رہائی کا پیغام لایا تھا مگر ہم نے اس کی قدر نہ کی قرآن مجید سے نسبت رکھنے والے اس اہم دن سے نسبت باقی رکھ کر اس صورت میں حاصل ہونے والے عزت وشرف ک ااستقبال کرنے کی بجائے اس سے ہمیشہ کے لئے ناطہ ہی توڑ لیا کاش ہم ذرا سوچنے کی زحمت تو گوارا کریں کہ اگر ہمارا یوم تاسیس ۱۴ اگست کی بجائے ۲۷ رمضان المبارک قرار پاتا تو صورت حال کتنی مختلف ہوتی ہر ۲۷ رمضان المبارک......قیام پاکستانکی یادوں کے ذریعے ہمارے احساس کے جذبوں کو جھنجوڑتا۔

ہر ۲۷ رمضان یاد دلاتا کہ ہمارے اسلاف نے قرآن مجید کے فرمان اِنَّ اللّٰهَ ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اوران کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں''لو کس طرح سچ کر دکھایا یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ قیام پاکستان کا سبب نہ نسلی تشخص کی حفاظت بنا نہ وطنی تشخص کی حفاظت اس کا واحد سبب امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے اپنے تشخص کی حفاظت تھا۔

ہر ۲۷ رمضان المبارک یہ یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالی کے حکم ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ کی تعمیل میں کس طرح ایسی مملکت کے حصول کے لیے قربانیاں دی جہاں قصر اسلام میں مکمل داخلہ ممکن ہو سکے۔

ہر ۲۷ رمضان المبارک ہمیں اپنے اسلاف کے کردار اور اپنے اعمال میں موازنے اور محاسبے کا موقع فراہم کرتا ہے اور یقیناً اس کے لئے نیکیوں کے موسمِ بہار میں رمضان المبارک کے علاوہ اور کون سی فضا اور ماحول زیادہ سازگار ہو سکتا ہے؟

قیام پاکستان اور تحریک پاکستان نیز مقصد پاکستان کے حوالے سے آنے والی بے شمار یادیں ہمیں اللہ کے حضور صدق قلب سے دعائیں مانگنے پر مجبور کر دیتیں یہ ہمارا تعلق اپنی ملت اسلامیہ، اپنے منبع شکوہ وقوت، قرآن مجید احادیث رسول ﷺ اور اپنی ثقافت سے استحکام تعلق کا سبب بنتا جرائد کے نمبر اگست کی بجائے رمضان المبارک شائع ہوتے یوں ہمارے اسلاف کی قربانیوں اور عزائم کی سرگزشت رمضان المبارک کی مخصوص فضا میں پڑھنے کو ملتی اس ماہ میں شیطان جکڑا ہوا اور انسان نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے لہٰذا اس مہینے میں یہ بڑھنے سے عمل کو مہمیز ملتی پھر...... ہمارے قول وفعل میں تضاد کیوں ہوتا؟ دین سے غداری کی نوبت کیوں آتی ؟ آہ...... علامہ اقبال مرحوم کی فریاد ۔

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت

ہے ایسی نجات میں مسلمان کا خسارا

دین اسلام سے غداریوں کے نقطہء آغاز سے لے آج تک ہم مخالفیت احکاماتِ الٰہیہ کی ایک طویل جہرست مرتب کرتے ہوئے بدنصیبی کو اپنا انجام بنا رہے ہیں مگر یاد رہے

قدرت افراد اغماض بھی کر لیتی ہے

کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم اک دیا گیا یہ بیان ہمیں اپنے موجودہ حالات کے تناظر میں ۵۹ سال قبل کا نہیں آج ہی کا محسوس ہوتا ہے اور یقیناً آج بھی اس میں ہم سب کے لئے ایک پیغام پوشیدہ ہے۔

''صرف ایک چیز مسلمانوں کو بچا سکتی ہے اور ان میں اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کی قوت پیدا کر سکتی ہے پہلے تو انہیں اپنی روحوں کو تسخیر کر کے ان عظیم روایات اور اصولوں پر سختی سے جم جانا چاہیئے جو ان کے زبردست اتحاد کی بنیاد ہیں اور جو ان کو ایک ہی

سیاسی جماعت کے رشتے میں منسلک کرتے ہیں اگر مسلمانوں کو فرقہ پرست ٹوڈی یا رجعت پسند یا ایسے ہی دوسرے القابات سے نوازا جائے تو آپ اس کی ہرگز پرواہ نہ کریں ان اصلاحوں ،گالیوں اور غلط سلط لفظوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کیا جائے انہیں کمزور اور بزدل بنایا جائے ان کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ساتھ اختلافات پیدا کر کے ہمیں دنیا بھر میں بدنام کیا جائے ہم اس قسم کے پروپیگنڈے سے شدید نفرت کرتے ہیں''۔(اجلاس مسلم لیگ لکھنؤ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۷)

پاکستان میں غلامی

جاہلی معاشرے میں ہر فرد دوسرے کا غلام ہوتا ہے۔ سچ پوچھیے تو الٰہی قانون کی بجائے جاہلی قانون کی بالادستی بذاتِ خود انسان کی انسان پر حکمرانی اور انسان کی دوسرے انسان کی غلامی ہے۔ اس کی مختلف اقسام کو کہیں تو معاشرے کا جاہلی نظام قانون کی سند دے دیتا ہے اور کہیں یہ ''خاموشی نیم رضا'' کے مصداق حقیقت میں قانون ہی کے سائے تلے مگر بظاہر لاقانونیت کی گود میں پنپتی رہتی ہے۔

انہی میں ایک زرعی غلامی Serdom بھی ہے۔ دیگر غلامیوں کی طرح یہ بھی جاہلی معاشرے کے پودے پر برگ و بار لاتی ہے۔ یہ بھی ایک انسان سے اس کے ذاتی اختیار، ذاتی پسند و ناپسند، ذاتی ملکیت کا حق سلب کر لیتی ہے۔ اس کے نازک جذبات و احساسات پاؤں تلے کچل ڈالتی ہے۔ اظہارِ فکر کے ہونٹ سی دیئے جاتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ سسکیاں بھی ہونٹ تک آنے سے روک دی جاتی ہیں۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ کسان دن رات کولہو کے بیل کی طرح جتا رہتا ہے مگر احتجاجی سوچ کی بھنک بھی مالک تک پہنچ جائے تو ستم کے پھندے کا حلقہ مزید تنگ ہو جاتا ہے۔ یہ غلام مخصوص زمین اور مخصوص مالک سے بندھا ہوتا ہے۔ اس کے بیوی بچے بھی اسی کی طرح اس زبردستی کے مالک کے غلام ہوتے ہیں۔

اسلام ہر قسم کی غلامی کی جڑ کاٹنے والا دین ہے۔ وہ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات

دلاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی یہی ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ۔ (الاعراف:۱۵۷)

''جولوگ اس امی رسول کی پیروی کرتے ہیں جس کے اوصاف وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھے ہوئے پاتے ہیں وہ انہیں نیکی کا حکم دیتااور برائی سے روکتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور وہ بیڑیاں جوان پراب تک تھیں اتارتا ہے۔''

بعثتِ نبی ﷺ کے وقت عربوں میں صرف قیدیوں کی صورت میں بننے والے غلاموں کا زیادہ رواج تھا۔اسلام نے اسے برقرار رکھا مگر غلاموں کی آزادی سے رہائی کی نفسیات مسلمانوں کے ذہنوں میں اتنی راسخ کردی کہ انہوں نے بے شمار غلام آزاد کرنے شروع کردیئے۔علاوہ ازیں ان سے بدسلوکی کوحسنِ سلوک کے اس اعلیٰ معیار میں یوں بدل دیا کہ غلامی غلامی نہ رہی ،باعثِ ننگ وعار نہ رہی بلکہ تقویٰ وایمان کی بنیاد پر باعثِ عزوافتخار بن گئی ۔اس کے لئے مکاتبت اور ولاء کے نئے قوانین معرضِ وجود میں آئے۔ غلاموں کی نجی زندگی کا تحفظ ہوا،ان کے احساسات وجذبات کا اس قدر اہتمام کہ انہیں حکم جاری ہوا کہ'' یہ جن کوتم غلام کہتے ہو یہ بھی تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے تحت کردیا ہےتو اسے وہی کھلاؤ جوخود کھاتے ہو،وہی پہناؤ جوخود پہنتے ہواور اسے اتنا کام نہ دےدو جواس پر بھاری ہو(کہ کرنا مشکل ہو) جائے اور جو بھاری کام بھی دیں تو اس میں خودشریک ہوکرمدد کرے۔(بخاری)

حدتو یہ ہے کہ غلاموں کے جرائم کی سزا بھی آزادانسانوں سے آدھی رکھی گئی،اس کے بعد غلامی رہی کہاں؟

غلامی ''جس کی لاٹھی'' اس کی بھینس کے قانون تلے آزاد انسانوں کو جبراً بیگار پر پکڑ لینے کا نام ہے، اس کی قانوناً مخالفت کر دی گئی۔ جاہلی معاشرے میں غلامی کا ایک طریقہ مقروض افراد کو زبردستی غلام بنانے کا تھا۔ اس کے لئے مقروضوں سے حسنِ سلوک کے متعلق احکام جاری ہوئے۔ ان کی مدد کے لیے زکوٰۃ وصدقات کی ایک پوری مد مختص کی گئی۔ زرعی غلامی کے خاتمے کے لئے مروجہ جاگیرداری نظام ختم کر دیا گیا۔ مالک و مزارع کا باہمی تعلق دونوں کی اپنی اپنی جگہ خودمختار حیثیتوں کے تحت متعین ہوا۔ دونوں کے لئے مرضی کا مزارع، مرضی کا مالک اور مرضی کی زمین منتخب کرنے کی آزادی تھی۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے ''جدید جاہلیت'' محمد قطب۔ نیز ''مسئلہ ملکیت'' مولانا مودودیؒ)

بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ بھی جاہلیت کے پنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ جاہلی نظام کے لوازمات میں سے ایک زرعی غلامی کا عفریت ہماری آبادی کے ایک بڑے حصے کو ہڑپ کئے ہوئے ہے۔ یہ بدقسمت زندگی کے حق سے محروم ہیں۔ حصولِ تعلیم، اپنی مرضی، اختیار، نجی زندگی کے تحفظ، رہائش، خورد ونوش غرض ہر قسم کے حق سے محروم، یہ غلام الٰہی قانون کی بجائے جاہلی قانون (ہر وہ قانون جو اللہ کے قانون کے علاوہ ہو جاہلی قانون ہی ہے) کو اپنانے کے نتیجے میں ہونے والے جبر واستبداد کی زندہ تصویر ہیں۔

ان میں سے بعض تو نسل درنسل اس مصیبت میں گرفتار چلے آرہے ہیں۔ غمِ حیات نے انہیں اور کچھ سوچنے سے عاری کر دیا ہے۔ ان کے مالکوں کے جانور بھی اس قدر مظلومیت کا شکار نہیں ہوتے جس قدر یہ ہیں۔ باہر کی زندگی اور ترقی یافتہ دور کے حقوق، مراعات، تعلیم کا انہیں کچھ پتا نہیں۔ نسلی طور پر مسلمان ہوتے ہوئے بھی یہ بدنصیب اسلام کے حقیقی شعور سے محروم ہیں یہ خود تو اس قدر بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں کہ ان کے لئے حقیقت کی جستجو کرنا ناممکن ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ ان کے کانوں تک یہ آواز پہنچانے کے لئے سرگرم عمل

بھی کوئی نہیں۔

نسلی غلاموں کے علاوہ دوسری قسم ان مجبور و مقہور افراد کی ہے جو کسی مخصوص جاگیردار کے مزارع تو نہیں مگر کسی ناگہانی آفت کی بناء پر کسی زمین دار سے قرض لینے پر مجبور ہو گئے، یوں انجانے میں ان کی گردن میں ہمیشہ کے لئے غلامی کا پٹاڈال دیا گیا۔

قرض کے طور پر لی جانے والی رقم اکثر اوقات صرف تین چار ہزار روپے ہی ہوتی ہے مگر زمین دار کی مطلوبہ رفتارِ کاران کے وقت یا صحت کا ساتھ نہیں دے پاتی لہٰذا وہ ہمیشہ کیے لئے اس مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ان کی موت کے بعد ان کے بچے بھی اس قرض کے بدلے میں وہی جبر سہنے پر مجبور ہوتے ہیں جس میں ان کا باپ مبتلا رہا۔

قرض لینے کے بعد یہ غریب کسان ایک طرح اپنے بیوی بچوں سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ جاگیرداران سے جیسا چاہے سلوک کرے، جیسا چاہے کام لے، ذرا سی غلطی پر مار مار کر معذور کر دے، چاہے تو کسی دوسرے جاگیردار سے معاہدے کے تحت اسے دے دے۔ ان کی بیٹیوں سے چاہے تو اپنا عشرت کدہ آباد کر لے، چاہے تو اسے مستقل آمدنی کا ذریعہ بنا لے۔

صدیقی ٹرسٹ کے شائع کردہ کتابچے ''بیسویں صدی کے غلام'' میں ان کی مظلومیت کی تفصیلات پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ مظلوم آخر کس اخلاقی دینی یا ملکی قانون کے تحت یہ عذاب بھگتنے پر مجبور ہیں۔ اس کتابچے کے مطابق صوبہ سرحد کے ضلع صوابی کے ایک مخیّر فرد ہدایت اللہ صاحب نے ان کی رہائی کی تحریک شروع کی۔ ان کے آزاد کردہ غلاموں کی رقومات اٹھائیس سو، پچیس سو، ستائیس سو تین ہزار جتنی محدود تھیں۔

۲ ستمبر ۱۹۸۹ء کو ایک بارہ سالہ غلام طُلی خان کو ہزار روپے کا زرِ غلامی دے کر اس کے مالک چاند بادشاہ سے بعد از نماز جمعۃ المبارک مسجد بیان گان میں آزاد کرایا گیا۔ اس بچے

کا غلام باپ ایک سال پیشتر علاج سے محرومی کی حالت میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ بارہ سالہ ٹلی خان اپنی نیم پاگل بیوہ ماں کے ہمراہ قید و بندِ حیات کی تعذیب سہنے کے لئے تنہا رہ گیا ایک ٹلی خان ہی نہیں! ہمارے مروجہ جاگیردارانہ نظام میں ایسے بے شمار ٹلی خان شکارِ ابتلا ہیں۔ ان کی تفصیلات پڑھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اسلام کے نام لیوا ملک میں اس قدر ظلم و ستم! نبی اکرم ﷺ نے تو ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان جسدِ واحد کی مانند ہیں۔

مگر ہم کیا اسلام کی اس بنیادی صفت ہی سے محروم ہو چکے ہیں، اپنے عیش و آرام، آسائش، آرائش و زیبائش، معیارِ زندگی بلند کرنے کی دوڑ میں مسابقت کے حصول اور نمود و نمائش کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کر لیں مگر ان مجبور و مظلوم غلاموں کی آہیں بھی ہمارے کانوں تک نہ پہنچیں۔ ہماری ایک ایک دن کی غیر ضروری اشیاء کی قیمتِ خرید کے بدلے عمر بھر ظلم کی چکی میں پستے رہیں۔

غلاموں کی آزادی کے متعلق تمام احکامات ہمارے ذہنوں سے کیوں محو ہو چکے ہیں ہمارے نبی اکرم ﷺ کی تو آخری وصیت ہی غلاموں سے حسنِ سلوک پر مبنی تھی۔ کتابِ ہدایت قرآن حکیم میں غلاموں کی آزادی کو بڑی نیکی ہونے کی سند دی گئی۔ نیکی یہ نہیں کہ مشرق اور مغرب کی طرف منہ پھیر لو بلکہ نیکی اللہ، فرشتوں، کتاب اور نبیوں پر ایمان لانا اور اس کی (اللہ کی) محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتامیٰ، مساکین، سائل اور غلاموں کی آزادی کے لئے خرچ کرنا ہے''۔ (البقرۃ:۱۷۷)

نبی اکرم ﷺ کی اپنی سنت اور صحابہ کرامؓ کا اسوہ اس پر گواہ ہے، آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۳ بتائی جاتی ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صرف ایک موقع پر چالیس غلام آزاد کئے۔

عمِ رسول ﷺ نے ستر (۷۰) حکیم بن حزام نے سو، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک

ہزار، الکلاع حمیری رضی اللہ عنہ نے آٹھ ہزار اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کیے۔ غلاموں کی آزادی کی بات ہو اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہ ہو، وہ جہاں کسی مسلمان غلام کو جبر کی چکی تلے پستا دیکھتے، منہ مانگی قیمت دے کر خرید لیتے۔ مسلمان غلاموں کی رہائی کے ذکر پر اس سیاہ فام لونڈی کی یاد ذہن پر دستک دیتی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا ''اللہ کہاں ہے''؟ اس نے آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اس سے پھر پوچھا ''میں کون ہوں''؟ اس نے پہلے آپ ﷺ کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کا یہ مطلب تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے مالک سے ارشاد فرمایا: ''اسے آزاد کر دو یہ مسلمان ہے۔'' (ابوداؤد)

غلاموں کی آزادی کارِثواب ہی نہیں، بڑے سے بڑے گناہ کی کفارہ بھی ہے۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی طرف سے غلام آزاد کر دو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے گا۔'' (نسائی)

قرآن مجید میں قتلِ خطاء کا کفارہ، معاہد قوم کے فرد کے قتل کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، قسم پوری نہ کر سکنے کا کفارہ بھی یہی بتایا ہے۔ پریشانیوں اور مصیبتوں کے دور کرنے کا نسخہ بھی یہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سورج گرہن کے موقع پر غلام آزاد کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ بارش میں مسلسل اذانیں دینے، مشکلات میں یٰسین پڑھانے، قرآن خوانی کروانے، آیت کریمہ کا وظیفہ کروانے جیسے امور کا علم تو ہمیں ہے اور ہم کر بھی لیتے ہیں حالانکہ حدیث میں ان کی سند نہیں ملتی مگر اس اہم دینی فریضے سے غافل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس

کی مدد کرنا چھوڑتا ہے جو شخص اپنے بھائی کی کوئی حاجت پوری کرنے میں مصروف ہوتا ہے۔ اللہ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کو دنیا کے کسی کرب سے نجات دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے کسی کرب سے نجات دلائے گا''۔ (بخاری، مسلم)

گویا اپنی ضروریات پوری کروانے اور مصائب سے نجات پانے کا یہ ایک الٰہی نسخہ ہے کہ مسلمان بھائیوں کی مدد کی جائے، اس سے بڑی بات اور کون سی ہوسکتی ہے کہ دنیاوی مصائب سے کسی کو نجات دلانے کے بدلے میں انسان دنیا اور آخرت کے مصائب سے نجات پا جائے پھر غلاموں کی رہائی پر تو جنت کے ملنے کی سند بھی ہے۔ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: ''مجھے وہ عمل بتائیے جو جنت میں پہنچا دے'' تو فرمایا:

''تو نے بڑے مختصر الفاظ میں بڑی بات پوچھ ڈالی، غلام آزاد کرو، غلاموں کو آزادی حاصل کرنے میں مدد دے۔'' (یعنی اگر پوری رقم کی ادائیگی نہیں کرسکتا تو جتنا حصہ ممکن ہو ڈالو) (مسند احمد بیہقی شعب الایمان)

ایک بار ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے ایک مومن غلام کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے شخص کے ہر عضو کو دوزخ سے نجات دلائے گا، ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ''۔ (بخاری، مسلم)

علی بن حسینؒ بن علیؓ نے یہ حدیث سنی تو اس کے راوی سعد بن مرجانہؒ سے استفسار فرمایا: ''کیا یہ حدیث آپ نے خود سنی''۔ اثبات میں جواب پا کر اسی وقت اپنے سب سے قیمتی غلام مطرف کو بلایا اور اسے آزاد کر دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انہیں اس کی دس ہزار رقم مل رہی تھی۔

''بیسویں صدی کے غلام'' کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ہر دور میں اپنے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل و یقین کی دولت سے فیض یاب ہدایت اللہ صاحب جیسے انسانوں کا وجود برقرار رکھتے ہیں [1]۔ اس سے قبل کہ روز قیامت ان کا عمل ہمارے خلاف بطور حجت ثابت ہو، کیوں نہ ہم بھی آگے بڑھیں اور زرعی غلامی کے خلاف آواز بلند کریں۔ جاہلی قانون کے بت کو ضربِ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰه سے پاش پاش کر دیں۔ دینی جماعتیں بھی انفرادی و اجتماعی سطح پر ان مظلوم غلاموں کی رہائی کے لئے عملی اقدام کریں۔ اپنی ہر خوشی غمی کے موقع پر انہیں یاد رکھیں۔ انہیں دینی شعور سے آراستہ کریں اور غلامی سے رہائی دلا کر جہنم سے رہائی اور جنت پانے کا نبوی پروانہ وصول کرلیں۔

(۱۵ رجب ۱۴۱۸ھ بمطابق 16 نومبر 1997ء)

[1] صدیقی ٹرسٹ ایک قابلِ اعتماد دینی ادارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دیگر سعادتوں کے ساتھ ساتھ ان غلاموں کی رہائی کے لیے کوشش کی سعادت سے بھی نوازا ہے۔ اس کتابچے میں خاص اس مد میں رقوم بھیجنے کے لیے اکاؤنٹ نمبر کا اعلان بھی ہے۔ مزید تفصیلات درج ذیل پتے سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ صدیقی ٹرسٹ، نسیم پلازہ، نشتر روڈ، نزد لسبیلہ چوک کراچی۔ ہدایت اللہ صاحب کا پتا یہ ہے ''ہدایت اللہ منزل، صوابی ضلع مردان، صوبہ سرحد۔

حاشیہ (۱) ہزاروں کی تعداد میں موجود طبقۂ نسواں کی یہ مظلوم خواتین ''انسانی حقوق کے کمیشن'' اور ''تحفظِ حقوقِ نسواں'' کی توجہ سے کیوں محروم ہیں۔

عالمِ اسلام کو نہتا کرنے کا منصوبہ
(سی، ٹی، بی، ٹی)

دفاع کی اہمیت:

خیر اور شر کا داعیہ ہر جان دار میں موجود ہے، جس میں مسلسل کشمکش جاری رہتی ہے۔ شر کی بہیمی قوتیں جب خیر پر غالب آجاتی ہیں تو وہ اپنے سے کم تر کو ختم کرنے یا ان پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بقول شاعر ؎

بچارے آدمی کی آزمائش کتنی مشکل ہے
ازل سے کشمکش مابین طغواہا وتقواہا

اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو اپنے دفاع کا جذبہ بدرجہ اتم عطا کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ جیسے ہی ہوش سنبھالتا ہے، اس کے دفاع کی حس بھی انگڑائی لینے لگتی ہے۔ کسی سات آٹھ ماہ کے بچے کی آنکھوں کے قریب ہاتھ لے جا کر دیکھیے وہ فوراً اپنی آنکھیں بند کر لے گا، مبادا اسے نقصان پہنچ جائے۔ گویا دفاع کا احساس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فطری طور پر اسے ودیعت ہوتا ہے۔ انتہائی کمزور جانور بھی اپنے سے طاقتور کو حملہ آور ہوتے دیکھ کر آخری سانس تک اپنے دفاع کی کوشش کرتا ہے۔

دفاع کی اہمیت تو اس قدر ہے کہ جہاں ہمارے جسم میں بیماریوں کے لئے منفعلانہ خصوصیت موجود ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدافعانہ قوتیں بھی عطا ہوئی ہیں جن کے

خاتمے سے انسان مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

دفاعی ہتھیاروں کی ایجاد:

روزِ اول ہی سے انسان نے اپنے دفاع کے لئے مختلف طریقے ایجاد کیے۔ پہلے پہل پتھروں، لکڑیوں اور ہڈیوں کا استعمال کیا گیا پھر نوکیلے سادہ ہتھیار تیار ہوئے۔ جیسے جیسے انسان ترقی کے مدارج طے کرتا گیا دفاع کے ذرائع بھی ترقی یافتہ ہوتے گئے۔

جب پہلے انسان نے دوسرے شخص کو مارنے کے لئے ہتھیار استعمال کیا تو ہتھیاروں کے غلط استعمال کی داغ بیل پڑ گئی۔ جانور بے عقل اور انسانوں کے لئے مسخر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دے کر اسے غلط اور صحیح استعمال کا محدود اختیار بھی بخشا ہے۔ اگر اس کو عقل بہکا دے تو وہ اپنے ہم جنسوں کے لئے جانور سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے ایسے ہی وہ واقعات کے بعد جارحانہ جذبات سے مغلوب ہو کر انسانوں نے انتہائی مہلک ہتھیار بنانے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ اس میں مدِ مقابل سے دفاع اور اسے زیر کرنا، دونوں محرکات شامل تھے، یہاں تک کہ بیسویں صدی میں جدید ٹیکنالوجی کی بدولت ایٹم بم وجود میں آیا جو سیکنڈوں میں ایکڑوں رقبے پر محیط علاقے کو تباہ کر سکتا ہے۔

اسلام کا تصورِ دفاع:

اسلام دین فطرت ہے، لہٰذا اس نے انسانی فطرت اور جبلت کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے مسلمین کو دفاع کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ پرزور حکم دیا ہے۔ جہاد کا ایک اہم پہلو دفاع ہی ہے۔ قرآن مجید میں جہاد کی اجازت دیتے ہوئے حکم ہے۔

﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْاوَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴾(الحج: ٣٩)

یہاں اسلامی تصورِ دفاع کا یہ نکتہ ذہن میں رہے کہ دفاع چار چیزوں کے لئے کیا جاتا ہے۔

① جان کی حفاظت کی خاطر

② ملک کی حفاظت کی خاطر

③ عزت وعصمت کی حفاظت کے لئے

④ دین کی حفاظت کی خاطر

ان میں سے جان اور ملکیت کی حفاظت کا داعیہ تو انسان اور حیوان میں یکساں موجود ہوتا ہے۔ انسانوں کو حیوانوں سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ عزت اور دین کی حفاظت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مادی ملکیت اور مادی جسم یہ دونوں اس دنیا تک ساتھ رہنے والی چیزیں ہیں لیکن عزت وعصمت اور دین انسان کی ابدی زندگی کے اچھے یا برے ہونے سے بھی گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام دفاع کے معاملے میں بھی دین اور عصمت و عزت کے دفاع کو جسم اور ملکیت کے دفاع پر ترجیح دیتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

جو شخص اپنی عصمت کی حفاظت:

نیز ارشاد ربانی ہے:۔

﴿لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾(البقرہ: ١٥٤)

”(اے ایمان والو!) جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔“

ملکیت اور ذات کی دفاع کی اہمیت بھی اپنی جگہ موجود ہے اور اس کی حفاظت بھی مسلّم ہے جیسا کہ ارشاد ہے:۔

﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ (البقرۃ: ١٩٤)

''پس جو ظلم کرے تم پر پس تم اس سے بدلہ لے لو بسبب اس کے جو اس نے تم پر ظلم کیا۔''

یاد رہے کہ مطلقاً ملکیت اور ذات کے دفاع کو باقی ہر چیز پر ترجیح دینا خودغرضی کا بیج بونے کا سبب بھی بن سکتا ہے لیکن دین کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑا ہونا خالص مواخاتی اور اجتماعیت سے بھر پور فضا قائم کرنے کا سبب بنتا ہے اور اسلام میں یہی مطلوب و محمود ہے۔

کفر بمقابلہ اسلام:

اسلامی تعلیمات کی رو سے دنیا میں صرف شر اور خیر ہی کا وجود پایا جاتا ہے۔ خیر کا منبع ذاتِ الٰہی اور شر کا منبع ابلیس ہے۔ روزِ اول سے ابلیس، ایمانی جذبوں کو ختم کرنے کی گھناؤنی سازش میں ہمیشہ سے مصروف ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے مختلف بہروپ بدلے، کئی ناموں کے نقاب اوڑھے لیکن چونکہ اس کی اصل ایک ہی ہے یعنی شیطان، لہٰذا دین اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے سب آپس میں ہزار ہا اختلاف ہونے کے باوجود بھی اتحاد کر لیتے رہے۔

دین اسلام اللہ رب العالمین کا دین ہے۔ تمام انسانوں کی روحیں عہدِ الست کر چکی ہیں، یہی وجہ ہے کہ کفار زبان سے اعتراف کریں، نہ کریں۔ ان کی روحیں اور وجدان اس کی سچائی کو تسلیم کرتے ہیں۔

سچائی کا رعب ان پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ اسلام کے نام سے ان پر دہشت چھا جاتی ہے اور وہ سب کچھ بھول بھال کر اس عالمگیر صداقت کا مقابلہ کرنے کے لئے اتحاد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ﴿اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ کے مصداق وہ سب ایک ہیں، ان کا اصل مقابلہ اسلام سے ہے چنانچہ ایک مشہور مغربی دانشور لارنس براؤن کہتا ہے:

''ہمارے لئے سب سے بڑا خطرہ اسلامی نظام سے ہے کیونکہ اس میں پھلنے پھولنے کی مکمل صلاحیت موجود ہے اور مغربی استعمار کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے۔'' (شبہات التغریب، صفحہ:۳۰)

اسلامی نظام کے خطرے کو بزعم خود بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے مسلمانوں کو ان کے مادی اور روحانی سہاروں سے محروم کرنے کی کوششیں جاری ہیں، وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلمانوں کی طاقت کا اصل سرچشمہ ایمان ہے، جس کی بدولت فرمایا گیا ہے۔

﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (الانفال:۶۵)

''اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب ہو جائیں گے۔''

نیز فرمایا گیا:۔

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۳۹)

''اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو''۔

سچائی اپنا آپ خود تسلیم کرواتی ہے چنانچہ ایک مشہور مستشرق ''مسر'' کہتا ہے:

''ہم اپنا مذہب چھوڑے بغیر ترقی نہیں کر سکتے اور مسلمان اپنا دین چھوڑے بغیر تنزل کا شکار نہیں ہو سکتے''۔ (شبہات التغریب، صفحہ:۳۰)

مسلمانوں کو تنزل کا شکار کرنے کی خواہش کس قدر زور پکڑ چکی ہے، اس کا اندازہ ہمیں لارڈ کرومر کے درج ذیل بیان سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ:

''انگلستان اپنی تمام نوآبادیات کو سیاسی آزادی دینے کو تیار تھا ان میں ذہین افراد کی

ایسی نسل پیدا ہو جاتی جو انگریزی تہذیب و تعلیم سے مزین ہو کر حکومت کے قابل ہوتی لیکن انگریزی حکومت کسی حالت میں ایک آزاد خود مختار ریاست کو ایک لمحہ کے لئے برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔'' (جدید مصر)

ایمانی ہتھیار سے محروم کر دینے کی کوشش کے بعد اگلا قدم مسلمانوں کو ان کے مادی ہتھیاروں سے محروم کر دینے کے لئے اٹھایا گیا۔ آئی۔ ایم۔ ایف کے ذریعے مسلمان ملکوں کے اثاثے اپنے قبضے میں لے لئے، اب جس وقت وہ چاہیں مسلمانوں کے اثاثے منجمد کر سکتے ہیں۔ اپنی مرضی کے مطابق مسلمان ملکوں کے بجٹ بنوا کر انہیں ٹیکس کے شکنجے میں پھنسا سکتے ہیں۔

قرضوں کے لئے ان کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے، انتہائی احسان جتا کر وہ قرض دیتے ہیں تو اس کا ایک بڑا حصہ اپنی ہی تنظیموں N,G,O,S کے ذریعے خرچ کرنے کی پابندی کرواتے ہیں اور یہ تنظیمیں خدمتِ خلق وغیرہ کی آڑ میں مسلمانوں کی دینی بنیادوں کو کمزور کرنے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔

اب اگلے مرحلے کے طور پر مسلمان مملکتوں کو نہتا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قبل ازیں کہ ہم اس منصوبے کی تفصیل بیان کریں بہتر ہوگا کہ اس ضمن میں صیہونی عزائم پر بھی نظر ڈالتے چلیں۔

عالمِ اسلام اور یہودی عزائم:

یوں تو عالمِ کفر ہی مسلمانوں کی مخالفت و استحصال میں مصروف ہے لیکن یہود کو اسلام سے بغض و عناد کے معاملے میں باقی سب پر فوقیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:۔

﴿وَلَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الْيَهُوْدَ﴾ (المائدہ: ۸۲)

"اور آپ لوگوں میں سے ایمان والوں کی عداوت میں یہود کو سب سے زیادہ بڑھا ہوا پائیں گے۔"

یہود نے تمام دیگر مذاہب کے پیروکاروں پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے ایک بین الاقوامی تنظیم "فری میسن" بنا رکھی ہے جس کا کام خفیہ طور پر یہود کے عالمی اقتدار کی رہ ہموار کرنا ہے۔ یہ تنظیم تشدد و بربریت کے مختلف طریقوں سے دیگر مذاہب کو مکمل طور پر بے بس کر دینے کی کوشش کرتی ہے۔ اس تنظیم کے زیر اہتمام ہونے والے اجلاسوں میں یہود کی سرکردہ شخصیتوں نے اپنا منشور، طریقہ کار یا لائحہ عمل مرتب کیا جسے پرٹوکولز کا نام دیا گیا، اسے آغاز میں تو انتہائی خفیہ رکھا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا منظر عام پر لا کر اتمامِ حجت کر دینا منظور تھا لہٰذا ایسا ہی ہوا۔

اگر چہ یہود تمام دیگر مذاہب کو اپنے نگین کرنے کی بات کرتے ہیں لیکن اس میں بھی ان کا اصل ہدف عالمِ اسلام ہی ہے۔ یہودیوں کا نصب العین یہ نعرہ ہے کہ "یہودیو! تمہاری سرحدیں یوفریٹس سے لے کر نیل تک ہیں۔" جو اسرائیل کی پارلیمنٹ پر ان الفاظ کی صورت تحریر ہے:۔

حدودك يا اسرائيل من الفرات الى النيل

دنیا کے بڑے ممالک یہودی بساط کے مہرے:

یورپ کے بڑے بڑے ممالک میں یہود کی ایک موثر تعداد موجود ہے، ان کا عالمی معیشت پر پوری طرح قبضہ ہے۔ لہٰذا تمام پالیسیاں ان کی مرضی کے مطابق ترتیب پاتی ہیں۔ امریکہ، برطانیہ وغیرہ بھی بظاہر عیسائی ریاستیں ہونے کے باوجود ان ہی کے مہرے ہیں۔ اس کی واضح مثال امریکی وزارتِ خارجہ کے ممبر ڈیوڈ ڈینس کا یہ بیان ہے کہ

"اگر اسرائیل کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوا تو ہم دو منٹوں کے اندر تیسری عالمی جنگ میں

کود چکے ہوں گے لیکن برلن کے معاملہ میں کئی دن لگ سکتے ہیں۔"

دین اسلام کی مخالفت کے لیے تمام کفر متحد ہوتا ہے، لہٰذا اس مقصد کے لئے ہر پالیسی متفقہ طور پر طے کی جاتی ہے۔

سی، ٹی، بی، ٹی، عزائم کفار کے تناظر میں:

یہودی کا کٹھ پتلی ملک امریکہ ایٹمی اسلحے کی روک تھام کے لئے ایک معاہدے پر دستخط کروانا چاہتا ہے جس کا نام سی، ٹی، بی، ٹی ہے۔ یہ کمپری ہنسوٹسٹ بین ٹریٹی کا مخفف ہے جس کا مفہوم ہے "ایٹمی تجربات کی پابندی کا جامع سمجھوتہ"۔ اس سے قبل ایک دو سال تک یہ معاہدہ این، پی، ٹی NON PROFERATION TREATY کے نام سے منظر عام پر آتا رہا، اس پر چند شرائط کے ساتھ کچھ ممالک نے دستخط کر دیئے۔ اب پھر سی، ٹی، بی ٹی کے نام سے ایٹمی عدم پھیلاؤ کے منصوبے کو مزید واضح شکل میں سامنے لا کر اس پر دستخط کروانا ہے۔ اس مقصد کے لئے مسلمان ممالک پر خصوصاً دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ ظاہر تو یہی کیا جا رہا ہے کہ اس سمجھوتے پر تمام ممالک سے دستخط کروانا مقصود ہے لیکن غیر مسلم اور مسلم ممالک میں برتا گیا امتیاز واضح نظر آ رہا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کسی ملک کا اقتدار اصلی مسلمانوں کے پاس ہو یا نسلی مسلمانوں کے پاس، شعوری مسلمانوں کے پاس ہو یا غیر شعوری مسلمانوں کے پاس، کفار کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ ان پر اسلام کا نام ہی کمپلیکس طاری کر دینے کے لئے کافی ہے۔ نجیب اور ببرک کارمل کی طرح وہ انہیں اپنا آلۂ کار ضرور بناتے ہیں لیکن قابلِ اعتماد ہرگز نہیں سمجھتے۔ اپنا مطلب نکالنے کے بعد انہیں خود ہی عبرتناک حشر سے دوچار کر دیتے ہیں۔ یہ خطرہ ہر وقت ان کے پیشِ نظر رہتا ہے کہ اگر ان نام کے مسلمانوں کی ملی غیرت ہی جاگ پڑی تو پھر کیا ہوگا؟ ایسے ممالک کے عوام کو دولتِ ایمانی

سے محروم کر دینے کی کوششوں کے علاوہ اس سے قبل کہ ان کے حکمرانوں میں سے کسی کو اپنے اسلام کی غیرت آ جائے وہ انہیں بے دست و پا کر دینا چاہتے ہیں۔

عالمِ اسلام کو نہتا کرنے کا منصوبہ:

اسی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ عالمِ اسلام کے ایسے ممالک پر جو ایٹمی طاقت حاصل کر چکے ہیں مکمل دباؤ ڈال رہے، ہیں ان پر اقتصادی پابندیاں عائد کر رہے ہیں، ان پر دہشت گردی کا الزام لگا رہے ہیں اور ہر طرف سے ان کا گھیرا تنگ کر کے اپنی دفاعی طاقتوں یعنی اسلحہ کو کفر کے سپرد کر دینے کے لئے تشدد کا طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ یہ طریق کار یہود کے پروٹوکول نمبر ⑦ میں بیان کئے گئے اس منصوبے کا ایک حصہ ہے کہ

''ہمیں تمام غیر یہود حکومتوں کو اس بات پر مجبور کر دینا ہے کہ وہ ان تمام منصوبوں کی حمایت کریں جن کو ہم نے تیار کیا ہے اور جن کو ہماری تمام تر حمایت حاصل ہے۔''

ہم ان تمام طریقوں سے غیر یہود کو اتنا زچ کر دیں گے کہ وہ ہم کو ایسا بین الاقوامی اقتدار پیش کرنے پر مجبور ہو جائیں گے جس کی بناء پر ہم رفتہ رفتہ دنیا کی تمام مملکتوں کی تمام اجتماعی طاقت کو بغیر کسی تشدد کے حاصل کرنے کے قابل ہوں گے۔ اس طرح ایک اعلیٰ حکومت کی بنیاد پڑھ جائے گی اس کے ہاتھ چہار طرف پھیلے ہوں گے اور اس کا دخل دنیا کے ہر گوشے میں ہوگا۔'' (پروٹوکول نمبر ⑤)

''اگر ہم نے اپنے خلاف کسی عام بیداری اور تحریک کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا تو اس کا جواب ہم امریکہ یا چین یا جاپان کی بندوقوں اور توپوں سے دیں گے۔'' (پروٹوکول نمبر ⑦)

یہاں امریکہ یا چین، جاپان کے ساتھ فرانس، برطانیہ، روس اور اٹلی کے ناموں کا بھی اضافہ کر لیجئے۔

گویا اصل منصوبہ عالم اسلام کو نہتا کر کے ان کا تمام تر اسلحہ غیر مسلم ممالک کے سپرد

کردینے کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ممالک پر تو جو محدود ایٹمی طاقتوں کے مالک ہیں اور ایٹمی طاقت، جن کی دفاعی ضرورت ہونے کے علاوہ پر امن پروگراموں کی تکمیل کے لئے بھی ضروری ہے، اتنا دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ اس کے برعکس اس تحریک کے سرخیل امریکہ کے اپنے سابق صدر جانسن کا بیان ہے کہ:۔

''ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور روس کے پاس ایسا دھما کہ خیز ایٹمی اسلحہ موجود ہے جو دس، ٹن، ٹی، این، ٹی کی طاقت رکھتا ہے اور روئے زمین کے ہر مرد اور عورت اور بچے کے لئے کافی ہے۔'' (بحوالہ ٹیلی گراف لندن، جنوری 1964ء)

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسٹریجٹک اسٹڈیز کی رپورٹ کے مطابق 1976ء میں امریکہ کے پاس 10174 ایٹمی ہتھیار تھے جن کی طاقت 5837 میگا ٹن تھی۔

لیکن ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں، اسرائیل پر پابندی نہیں، بھارت پر ویسا دباؤ نہیں ڈالا جا رہا جیسا پاکستان پر...... گویا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا
کیا یہ سراسر معصوم عن الخطاء ہیں

ان کا یہ طرز عمل دیکھ کر قرآن مجید میں مذکور حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ یاد آ جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے دو آدمی جھگڑتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، ان میں سے ایک کا کہنا یہ تھا کہ میرے بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک۔ میرے بھائی کا کہنا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے ہی دے دو تا کہ میری سو کی گنتی پوری ہو جائے۔

تو یہ غیر مسلم ممالک بھی مسلمانوں کو اسلحے سے محروم کر کے دراصل اپنی سو کی گنتی پوری

کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمان ممالک سے بڑی ہمدردی کیا اظہار کیا جارہا ہے۔ ایٹمی اسلحے کے نقصانات گنوائے جارہے ہیں یقیناً اس کے مہلک پن سے کسی کو بھی انکار نہیں لیکن اگر دوسرے دشمن ممالک اس ہتھیار سے لیس ہوں گے تو لازماً مسلمان ممالک کو بھی اپنے دفاع کے لئے اسے اختیار کرنا ہوگا۔ یہ تو انتہائی غیر منصفانہ طرز عمل ہے اگر ایک چیز مسلمانوں کے لئے بری ہے تو لازماً کفار کے لئے بھی بری ہی ہے۔ بقول اقبال ؎

ہم پوچھتے ہیں شیخِ کلیسا نواز سے
مغرب میں جنگ خیر ہے، مشرق میں کیوں ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر

ان ہمدردیوں کا راز تو یہودی پروٹوکول کی درجِ ذیل عبارت فاش کر دیتی ہے کہ

"غیر یہود بھیڑیوں کا گلا ہے اور ہم ان کے بھیڑیئے اور جب بھیڑیئے بھیڑوں کے گلے میں گھس جائیں تو جو کچھ ہوتا ہے اسے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں، ان کی آنکھیں بند کرنے کی ایک اور وجہ ہے وہ یہ کہ ہم مسلسل ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ جونہی امن کے دشمنوں اور باغیوں کا قلع قمع کرلیں گے ان کی تمام آزادیاں انہیں واپس کر دی جائیں گی۔ یہاں اس چیز کا ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ ان لوگوں کو اپنی آزادیوں کی واپسی کے لئے کتنا انتظار کرنا پڑے گا۔ آخر ہم نے کس مقصد کے لئے یہ ساری پالیسی اختراع کی ہے اور اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کا کوئی موقع دیئے بغیر ہم نے غیر یہود کے ذہنوں پر کیوں قبضہ جمایا ہے؟، اس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم بالواسطہ طور پر وہ کچھ حاصل کرلیں جو براہ راست ہمارا منتشر قبیلہ حاصل نہیں کرسکتا۔ (پروٹوکول نمبر 11)

اس اقتباس کے مطالعے کے دوران مسلمانوں سے ہمدردی کی آڑ میں اقوامِ متحدہ کی

امن فوجوں کے شاندار کارنامے یادر ہیں۔ صومالیہ، بوسنیا وغیرہ میں یہ جس طرح کا ''امن'' قائم کررہی ہیں، وہ سب کے سامنے ہے۔

یہاں برطانوی وزیر اعظم جان میجر کا ایک خط ملاحظہ ہو جو اس نے اپنے وزیر ڈگلس ہاگ کو لکھا، اسے برطانیہ کی بوسنیا پالیسی پر چند اعتراضات تھے۔

اس خط سے بوسنیا کے آئینے میں ہمیں غیر مسلم طاقتوں کی تمام مسلمانوں کے خلاف معاندانہ روش صاف نظر آتی ہے۔

ڈیئر ڈگلس......!

ہم بوسنیا ہرزیگووینا کے مسلمانوں کو مسلح کرنے اور بھاری تربیت دینے کے کسی بھی پروگرام پر اب یا مستقبل میں متفق نہیں ہو سکتے، ہم اس علاقے میں اسلحہ پر اقوام متحدہ کی عائد کردہ پابندی کو لاگو کرنے اور اس مقصد کے لئے طاقت استعمال کرنے کے پروگرام پر مستقل عمل کرتے رہیں گے۔ اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی ہم اس پابندی پر عمل کرائیں گے کہ یونان، روس اور بلغاریہ کی طرف سے سربیا کو اسلحہ مل رہا ہے، جبکہ جرمن، آسٹریا، سلوسینیا، حتیٰ کہ ویٹیکن (پوپ جان پال کا شہر، عیسائی ریاست) کروشیائی فوجوں کے ساتھ ایسا ہی تعاون کررہے ہیں۔ اس لئے یہ بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ ہم اس بات کی ہر ممکن کوشش کریں گے کہ بوسنیا کو کسی بھی اسلامی ملک یا اسلامی گروہ کی طرف سے اسلحہ فراہم کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول اور اس کی سرزمین پر صحیح صورت حال کے ظاہر ہونے تک ہم اس بات کی ہر ممکن کوشش کریں گے کہ بوسنیا ہرزیگووینا کے حصے بخرے کریں، اسے تباہ و برباد کریں اور ایک اسلامی ریاست جو یورپ کے اندر قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس کے خاتمے تک جدوجہد جاری رکھیں۔ ہم سابق سوویت یونین کے خلاف جس طرح افغانوں کو مسلح کرکے اور انہیں تربیت دے کر

اسلامی جنگجو بنا چکے ہیں، یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ اس غلطی کو بوسنیا، ہرزیگووینا میں دہرائیں، ہم مسلم آبادی کو یہ تربیت ہرگز نہ لینے دیں گے۔ سابق یوگوسلاویہ میں جب تک صورتِ حال غیر یقینی ہے، ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا ہوگا کہ اسلامی ملک مغرب کی اس متفقہ پالیسی کی مخالفت نہ کر سکے، ترکی پر بطورِ خاص نظر رکھنے کی ضرورت ہے "وینس اووِن امن مذاکرات" کا جھوٹا عمل جاری رہنا چاہیئے اور یہ کام اس وقت تک ہم کرتے رہیں گے جب تک بوسنیا ایک کارآمد ریاست کی حیثیت اور اس کی آبادی اپنی زمین سے مکمل طور پر مٹا نہ دی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ایک سخت پالیسی محسوس ہو لیکن میں خارجہ اور دولتِ مشترکہ کے دفتر میں پالیسی سازوں اور مسلح افواج سے بزور اصرار کہوں گا کہ یہی سچی سیاست ہے جو مستقبل میں ایک مستحکم یورپ کے لئے لازمی ہے، جس کا اخلاقی نظام عیسائی تہذیب اور اخلاقیات پر استوار کرنا ہے۔ میں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ شمالی امریکہ اور یورپ کی تمام حکومتیں اسی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ اس لئے ہم خطے میں مسلم آبادی کو بچانے کے لئے کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے۔ ہم مسلمانوں کو یہ محسوس کرا دیں گے کہ وہ مغرب میں کسی صورت نئے عالمی نظام کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

"نام نہاد مسلم حکومتوں کی بے عملی کی وجہ سے دنیا میں کوئی بھی قوت بوسنیا کو حتمی تباہی سے نہیں بچا سکتی وہ پندرہ جنوری 1993ء کو اسلامی کانفرنس کے منصوبوں پر عمل درآمد کرانے کے قابل نہیں ہیں۔ وہ اپنے وعدے پورے نہیں کرسکیں گے، اگر مغرب مسلمانوں کو بچانے کے لئے کوشش نہیں کرتا تو وہ مکمل طور پر بے اختیار اور بے وقعت رہ جائیں گے۔ ہم ان کی حکومتوں پر مکمل طور پر قابض ہیں۔" (ہفت روزہ ایشیاء 31 جولائی 1993ء)

یوں تو اس خط کے کئی نکات تبصرے کے محتاج ہیں لیکن یہاں صرف مغرب کی اس غلط فہمی کو دور کرنا ضروری ہوگا کہ سوویت یونین کی شکست و ریخت کا سبب ان کا افغانوں کو مسلح

تربیت دینا بنا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سوویت یونین کی شکست کا سبب صرف اور صرف مسلمانانِ اسلام کی ایمانی قوت ہی ایک بظاہر سپر طاقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی جرأت عطا کرنے والا صرف اور صرف ان کا اپنے رب العالمین پر ایمان تھا ورنہ آخر کیا وجہ ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی ویت نام سے ذلیل وخوار ہو کر نکلے۔ عراق جیسے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مقابلے میں حقیر ملک کا وہ بال بیکا کیوں نہیں کر سکے؟ لیبیا نے اس کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ ایران کا آخر وہ کیوں کچھ نہ بگاڑ سکے۔ یقیناً روس بلکہ تمام عالمِ کفر کی شکست وریخت کا سبب صرف اور صرف اسلام ہے اور کچھ نہیں۔

افغانستان اور کشمیر کے محاذوں پر دنیا کے کونے کونے سے جمع ہو کر آنے والے مجاہدین اس ابدی صداقت کا واضح ثبوت ہیں۔

پاکستان اور سی۔ٹی۔بی۔ٹی

1967ء میں عربوں کے خلاف جنگ جیتنے کے بعد اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان نے پیرس میں یہود کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:۔

''ہماری عالمی صیہونی تحریک کو فوری طور پر ان خطرات کا نوٹس لینا چاہیے جو ہمیں مملکتِ پاکستان کی طرف سے ہیں اور اب عالمی صیہونی تحریک کا ہدفِ اول پاکستان ہونا چاہیے کیونکہ یہ نظریاتی ریاست ہمارے اسرائیل کی سلامتی کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے اور اس ملک پاکستان کا ہر باشندہ عربوں سے لگاؤ رکھتا ہے اور یہودیوں سے نفرت کرتا ہے۔ یہ عرب کا شیدائی ہمارے لئے عربوں سے بھی زیادہ بڑا خطرناک ہے، چنانچہ اب عالمی صیہونیت کے لئے اشد ضروری ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف موزوں اقدامات کرے۔'' (ہفتہ وار جیوئش کرانیکل۔لندن)

یہ بیان پاکستان کے خلاف واضح اعلانِ جنگ ہے۔ پاکستان کے دشمنِ اول بھارت کے ساتھ یہود کے خصوصی گٹھ جوڑ کی پرزور تائید کرتے ہوئے اسرائیلی وزیر اعظم نے مزید کہا:

''چونکہ ہندوستان میں بسنے والوں کی اکثریت ہندوؤں کی ہے جن کے دلوں میں صدیوں سے مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور نفرت بھری پڑی ہے، اس لئے ہندوستان ہمارا اہم ترین اڈہ ہے، جہاں سے ہم پاکستان کے خلاف ہر قسم کی کاروائی کر سکتے ہیں۔ بہت

ضروری ہے کہ ہم اس نہایت اہم اڈے سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور انتہائی چالاک اور خفیہ کاروائیوں سے یہودیوں اور صیہونیوں کے اس دشمن پاکستانیوں پر زبردست وار کر کے انہیں کچل کے رکھ دیں۔ (بحوالہ سابق)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بھارت کے ایٹمی دھماکہ کر چکنے کے باوجود اس سے اسی طرح اغماض برتا جا رہا ہے جس کا تذکرہ سربیا کو وینی کن جرمنی وغیرہ کی طرف سے اسلحہ دینے کے ضمن میں جان میجر نے کیا ہے۔ پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کرنے کی بوسنیا کی طرح ہی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسلام دین فطرت ہے وہ جانتا ہے کہ کمزور کو خصوصاً خیر کو مغلوب کرنے کی کوشش کفر کی سرشت میں شامل ہے۔ لہٰذا اس نے اپنا دفاع کرنے کی بھرپور حمایت ہی نہیں کی بلکہ حکم دیا ہے، اس کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (البقرہ: ۱۹٤)

''جو زیادتی کرے تم پر تم اس سے بدلہ لو مثل اس کے جو اس نے تم پر زیادتی کی۔''

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال: ٦٠)

''ان کافروں کے لئے تم جس قدر ہو سکے قوت (یعنی ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو۔ اس کے ذریعہ سے تم ان پر اپنا رعب جمائے رکھو، ان پر جو کہ تمہارے بھی دشمن ہیں اور اللہ کے بھی دشمن ہیں۔

﴿خُذُوْا حِذْرَكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ (النساء: ۱۰۲) میں تمام ایٹمی طاقتیں شامل ہیں لہٰذا ان سب طاقتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق بڑھانے کی بجائے موجود طاقت کو بھی ختم کر ڈالنا اس کے احکامات کی واضح نافرمانی ہے۔

اس وقت عالم اسلام کو نگلنے کے لئے کفر کی بلائیں اپنا منہ کھولے کھڑی ہیں۔ اسے

بیک وقت ثقافتی اور جنگی یلغاروں کا سامنا ہے، اس صورت میں اس سمجھوتے پر دستخط میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے کے مترادف ہے جو گناہِ کبیرہ میں شامل ہے۔ارشاد ربانی ہے:۔

﴿فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾(الانفال:۱٦)

''(جس نے پیٹھ پھیری) وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو گیا۔''

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾(التوبہ،٤٥)

''ہلکے یا بوجھل نکلو اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو اگر تمہیں اس کا علم ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے''۔

بوجھل اور ہلکے نکلنے سے مراد اسلحے سے لیس ہونا ہی ہے۔اسلحے کی روک تھام کے لئے کفار کی ترتیب شدہ دستاویزات پر دستخط اس حکم کی بھی خلاف ورزی ہے۔مزید برآں ان معاہدوں کی پابندی اپنے آپ کو ہلاکت کے منہ میں ڈالنے کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا﴾(البقرۃ:۱۹۵)

''اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ ڈالو اور کام اچھی طرح کیا کرو''۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے''جس نے نشانہ بازی سیکھ کر ترک کر دی وہ ہم میں سے نہیں''

نشانہ بازی کی ترقی یافتہ شکل ایٹمی توانائی کا حصول، توپ شکن میزائلوں اور ایٹم بموں کا استعمال ہے۔لہٰذا یہ قوت حاصل کر کے اسے ختم کر دینا ارتداد و شرک کے مترادف

اور اپنے آپ کو حلقۂ اسلام سے خارج کر ڈالنے کے برابر ہے۔

یہاں یہ منطقی نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ ہمارے بعض حلقے اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اگر بھارت اس معاہدے پر دستخط کر دے تو ہم بھی کر دیں گے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا ہمارا دشمن صرف بھارت ہی ہے۔ ہمیں دنیا کے کسی اور ملک سے کوئی خطرہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کے مطابق تمام غیر مسلم ہمارے یکساں دشمن ہیں:۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (آل عمران:۱۱۸)

''اے ایمان والو! کسی غیر مذہب کے آدمی کو اپنا راز دان نہ بنانا، یہ تمہاری خرابی اور فتنہ انگیزی میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے، ان کی زبانوں سے ان کی دشمنی ظاہر ہو چکی اور جو ان کے سینے میں (کینہ) مخفی ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے۔''

لہٰذا اس سمجھوتے پر اس شرط کے ساتھ بھی دستخط کرنا سراسر نادانی ہے۔ درحقیقت ہمارے خلاف کفار کی تمام تر سازشیں ہمارے اپنے اعمال ہی کا شاخسانہ ہیں۔ ہم اپنا ایمان تو لٹانے کے لیے تیار بیٹھے ہی تھے، اب مادی ہتھیاروں سے بھی محروم ہونا چاہتے ہیں۔ اللہ رب العالمین کا درج ذیل ارشاد بدقسمتی سے ہمارے اوپر مکمل طور پر منطبق ہوتا ہے:۔

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِـَٔايَـٰتِ رَبِّهِۦ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى ٱلْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوٓا۟ إِذًا أَبَدًا﴾ (الکہف:۵۷)

''اور کون ظالم ہوگا اس شخص سے جس کو اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے تو

وہ روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں سے سمیٹ رہا ہے، اس کے نتیجے کو بھول جائے، ہم نے اس کے سمجھنے سے ان کے کانوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔" (الکہف)

تبھی مندرجہ بالا حقائق سامنے ہونے کے باوجود ہمارے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے اور نہ ہی ہم اصلاحِ احوال پہ مائل ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں ہمارے دشمنوں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے عزائم کی نشاندہی کی ہے۔ وہاں ان کے تسلسل میں علاج بھی بتایا ہے جو یقیناً ہمارے لئے حرفِ آخر ہے۔

﴿إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ز وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا ط وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ط إِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ع

"اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کا مکر تم کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں"۔(آل عمران ۱۲۰)

اب یہ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم عقل مندی سے کام لیتے ہوئے کفار کے تشدد و بربریت اور دیگر ہتھکنڈوں کے سامنے استقلال کا مظاہرہ کریں، تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ بصورت دیگر سی۔ٹی۔بی۔ٹی پر کئے جانے والے دستخط ہماری دنیا اور آخرت میں بد قسمتی کے نوشتہ پر دستخط ہوں گے۔

اللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ، اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ (آمین)

ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ۔ ستمبر ۱۹۹۶ء

عالمِ اسلام کے خلاف صلیبی سازشیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان محمد فاتح کا مثالی اور جرأت مندانہ کردار مسلمانوں کے ذہن سے محو ہو چکا ہو تو ہو لیکن عالمِ مسیحیت کے دل سے اس کی خلش آج تک نہیں نکلی۔ اس کی ایک مثال بوسنیا پر آرتھوڈکس صلیبیوں کی جارحیت بھی ہے جس میں سربوں نے سلطان محمد فاتح کے دور میں مسلمانوں کے مقابلے میں شکست سے دوچار ہونے والے عیسائی جنرل کے تابوت کو قبر سے نکال کر اشتعال انگیز نعروں کے شور میں بوسنیا کے گلی محلوں میں پھرایا اور اس کے بعد باقاعدہ اعلانِ جنگ کر دیا۔ دین حق کو مغلوب کرنے کے لئے سرگرم عناصر ہر دور کے مطابق اپنا طریقہ کار اختیار کرتے رہے۔ مسیحیت کا تعلق بھی انہی عناصر سے ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے صاحبِ ایمان مسلمانوں کے دور میں بذریعہ تلوار انہیں تسخیر کرنے کے مذموم منصوبے میں ناکامی کے بعد یہ بات اچھی طرح ان کی سمجھ میں آ گئی کہ ہمارے لئے تلوار یا ہتھیار سے مسلمانوں کو تسخیر کرنا تب تک ممکن نہ ہوگا جب تک ہم انہیں ان کے اصل ہتھیار یا سرچشمۂ قوت، ایمان کا ان کے دلوں سے خاتمہ نہ کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مذکورہ حروبِ صلیبیہ میں ناکامی کے بعد عالمِ اسلام کو ذہنی طور پر تسخیر کرنے کے لیے ایسا لائحۂ عمل تیار کیا جس کی کامیابی کے بعد مسلمانوں کو مکمل طور پر تسخیر کرنا آسان ہو جائے۔

عبداللہ ناصح علوان ایک معروف دانشور ہیں، اپنی ایک تصنیف میں ضمناً انہوں نے

انتہائی جامعیت اور اختصار کے ساتھ مسلمانوں کے ان سرچشمۂ قوت ایمانی عناصر کے متعلق میسیحیت کے عزائم کی نشان دہی کی ہے جن سے محرومی کے بعد باطل کے لیے آج مسلمانوں کو ہتھیاروں کے ذریعے مسخر کرنا ممکن ہو گیا۔ ذیل میں ان کے اس مضمون کی محض ترجمانی پیشِ خدمت ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں میسیحیت کا سب سے پہلا ہدف۔ خلافت اسلامی کا خاتمہ قرار دیا ہے لکھتے ہیں:

''اسلامی حکومت یعنی خلافت کی نمائندگی کسی نہ کسی طرح دولتِ عثمانیہ کی شکل میں انیسویں صدی تک موجود تھی لیکن عثمانی سلطنت کے تحت ممبرانِ حکومت کے آپس کے اختلافات اور انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بجا طور پر صلیبی نمائندے برطانیہ، یونان، اٹلی اور فرانس بھوکے بھیڑیوں کے غول کی مانند ترکی پر ٹوٹ پڑے اور اس کے دارالخلافہ استنبول سمیت تمام خطے میں اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اس سازش میں اسلام کے ایک بڑے غدّار کمال اتاترک کا بھی ہاتھ تھا۔ دونوں متحارب گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے مذاکرات شروع ہوئے تو اتحادی ممالک نے اپنی فوجیں درجِ ذیل نکات کے نفاذ کے بعد ہی سرزمین ترکی سے ہٹانے پر آمادگی ظاہر کی۔

(۱) خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ

(۲) خلیفہ کی ترکی سے جلاوطنی اور اس کی جائیداد کی ضبطی

(۳) ترکی میں خلافتِ اسلامیہ کی بقاء کی خواہش منداور مددگار تحریکوں کا خاتمہ

(۴) ترکی میں موجود تمام اسلامی ثقافت کے آئینہ دار عوامل کی بنیادوں کا انہدام

(۵) اسلامی احکام پر مبنی دستور کی بجائے ترکی کے لئے نئے دستور کی تیاری

اس کے بعد ۱۹۲۸ء میں صرف ایک سال کے قلیل عرصے میں شرعی عدالتیں، دینی مدارس، اور محکمہ اوقاف ختم کر دیئے گئے۔ میراث کے اسلامی قوانین کالعدم قرار دیئے

گئے۔اذان ترکی زبان میں دی جانے لگی۔عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط کو رواج دیا گیا، جمعہ کے دن کی بجائے اتوار کی تعطیل کی گئی۔

جوں ہی خلافتِ عثمانیہ،اسلام، ترکی اور مسلمانوں کے خائن اتاترک نے مذکورہ اقدامات کئے، برطانیہ اور اس کے حلیفوں نے نہ صرف ترکی کو تسلیم کر لیا بلکہ اسلامی احکامات سے برسرپیکار ہونے، خلافت کے خاتمے اور سیکولر مملکت کے قیام کے سلسلے میں اتاترک کی جدوجہد کو سراہا گیا۔

انگلستان کے سابق وزیر خارجہ لارڈ کرزن نے جب برطانوی پارلیمنٹ میں، ترکی میں کئے جانے والے اقدامات کی تفصیل پیش کی تو بعض برطانوی ممبران پارلیمنٹ نے کرزن کے اقدامات پر نکتہ چینی کی اور ترکی کو تسلیم کر لینے پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ ایسا کرنے سے ممکن ہے کہ دیگر اسلامی ممالک بھی جمع ہو کر مغرب پر حملہ کر دیں۔

اس پر لارڈ ز کرزن نے جواب دیا ''ہم نے ترکی کے بنیادی حیات بخش عناصر اسلام اور خلافت کا خاتمہ کر دیا ہے، اب وہ کبھی بھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔''

اس پر برطانوی ممبران پارلیمنٹ نے تالیاں بجائیں اور اعتراضات کا سلسلہ ختم کر دیا۔

عظمتِ قرآن کو مسلمانوں کے دلوں سے ختم کر دینا:

صلیبی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ قرآن پاک ہی مسلمانوں کی قوت کا اساسی مصدر ہے۔یہی مسلمانوں کو ان کے شاندار ماضی، تمدن، اور عزوشرف سے دوبارہ بہرہ مند کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کا ایک اہم ہدف مسلمانوں کے دلوں سے قرآن مجید کی عظمت کے احساس کو محو کر دینا ہے، ان کے اس حوالے سے کیا عزائم

ہیں؟ اس کے متعلق چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

برطانوی وزیراعظم اسٹیون نے ایک بار پارلیمنٹ کے سامنے قرآن مجید کا مصحف بلند کرتے ہوئے کہا:۔

"جب تک یہ قرآن مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے ہم مشرق پر تسلط قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ (الاسلام علی مفترق الطریق۔ص ۳۹)

عیسائی مبلغ ولیم جیفرڈ کا کہنا ہے:

"مسلمانوں کے قرآن مجید سے محروم ہونے اور مکہ مدینہ کے بعد عرب کے نقشے سے ختم ہونے کی صورت میں ہی ہم عربوں کو، محمدؐ اوران کی کتاب سے دور ہوتے ہوئے اور بتدریج مغربی تمدن کی طرف مائل ہوتے ہوئے دیکھ سکیں گے۔ (جذور البلاء، ص ۲۰۱)

الجزائر پر فرانس کے تسلط کے ایک سو سال مکمل ہونے پر ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں فرانسیسی صدر نے کہا:

"عربی قرآن کو مسلمانوں کی زندگیوں کے روز وشب سے نکال دینا چاہیے اور عربی زبان کے ساتھ ان کا تعلق ختم کر دینا چاہیے تاکہ ہم ان پر باآسانی اپنا تسلط قائم کرسکیں۔

(المنار، عدد۔ ۱۱، ۱۹۶۲)

مذکورہ بالا عزائم اس حادثے کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مغرب کا مطمعِ نظر مسلمانوں کے دلوں سے قرآن مجید کی اہمیت کا خاتمہ کرنا ہے، اس مقصد کے لئے انہوں نے خالصتاً علمی انداز اپنانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ مثلاً

فرانسیسیوں نے دس مسلمان الجزائری لڑکیوں کے ذہنی غسل (برین واشنگ) کرنے کی غرض سے انہیں فرانسیسی سکولوں میں داخل کیا، انہیں فرانسیسی لباس پہنایا گیا، فرانسیسی ثقافت سے روشناس کرایا گیا اور فرانسیسی زبان سکھا کر انہیں مکمل طور پر فرانسیسی عورتوں کے رنگ

میں رنگنے کی کوشش کی گئی لیکن۔۔۔۔۔پھر کیا ہوا؟

گیارہ سال کی کوشش کے بعد نتائج دیکھنے کی غرض سے ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں ملک کے وزراء، دانشور اور صحافی بھی مدعو کئے گئے، تقریب کے آغاز میں جب مذکورہ الجزائری لڑکیاں ہال میں داخل ہوئیں تو وہ مکمل طور پر اسلامی لباس میں ملبوس تھیں، یہ دیکھ کر فرانسیسی صحافی وغیرہ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے سوال کیا کہ آخر فرانس نے الجزائر پر تسلط کے بعد اتنے سالوں کے دوران کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟ اس پر فرانسیسی وزیر نو آبادیات ''لاکوسٹ'' نے جواب دیا:

''کیا کیا جائے درحقیقت مسلمانوں کا قرآن، فرانس سے زیادہ طاقت واثرات کا حامل ہے''۔(جریدۃ الایام۔عدد: ۷۷۸۰۔عام ۱۹۶۲)

اسلامی اثر اور مسلمانوں میں تعلق باللہ کے رجحان کا خاتمہ:

دراصل دشمنانِ اسلام اللہ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کو کمزور کئے بغیر عالمِ اسلام کے اضمحلال کے مذموم عزم میں کامیاب نہیں ہو سکے لہٰذا وہ ہمہ وقت اس کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کے ذہن وفکر میں موجود اسلامی بنیادوں کو منہدم کر کے ان کا تعلق اللہ کے ساتھ کمزور کیا جا سکے تا کہ الحاد واباحیت کے تنفیذ کے راستے ہموار ہوں، اس سلسلے میں ان کے عزائم کے متعلق چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) مسیحی مبلغ سیموئیل زدیمر نے ایک مرتبہ مسیحی مبلغین کے ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''محمدی ممالک کے مسلمانوں کے سلسلے میں جو ذمہ داری تمہیں مسیحی ممالک کی جانب سے سونپی گئی ہے اس کی رو سے تمہارا کام مسلمانوں کو مسیحیت میں داخل کرنا نہیں، اس سے تو انہیں عزت اور ہدایت حاصل ہو جائے گی تمہارا کام تو مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنا ہے، ان کو ایک ایسی قوم میں تبدیل کر دینا ہے جس کا نہ تو کوئی اللہ کے ساتھ تعلق

ہو اور نہ ہی اخلاق کے ساتھ، قوموں کی حیات کا دارومدار اخلاق ہی پر ہوتا ہے [با الفاظ دیگر اگر تم مسلمانوں کو اخلاق کی دولت سے محروم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھو کہ تم نے انہیں زندگی سے محروم کر دیا (ترجمہ)] اس فریضے کی انجام دہی کی صورت میں ہی اسلامی ممالک میں استعماری فتح کا سورج طلوع ہو سکے گا۔

تم اسلامی ممالک کے باشندوں کے ذہنوں کو اسلام سے برگشتگی کے طرز عمل کو قبول کرنے کے لئے تیار کرو جو تمہاری جدوجہد کا اصل مقصد ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ تم مسلمانوں کے ممالک میں ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو چکے ہو جس کا اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی وہ ایسا کرنے یا اس کے متعلق کچھ جاننے کا خواہش مند ہے، تم نہ صرف مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو بلکہ ان میں ایک ایسا طبقہ بھی تیار کر چکے ہو کہ استعمار کچھ بھی کرتا رہے وہ اسے چنداں قابلِ اہمیت نہیں سمجھتا، وہ راحت اور تن آسانی کا خوگر ہو چکا ہے، اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

بلاشبہ تم نے ہر لحاظ سے اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے۔

(جذور البلاء ص: ۲۷۵)

زویمر ہی اپنی کتاب ''عالمِ اسلامی کا خاتمہ'' میں لکھتا ہے:

''مغربی تہذیب کے فروغ کے حوالے سے تخریب اور تعمیر دو پہلو ہیں، تخریب سے مراد مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنا ہے، خواہ وہ ایسا کرنے سے الحاد کی طرف ہی کیوں نہ مائل ہو جائیں۔ تعمیری پہلو سے مراد ایسے مسلمانوں کی ہر طرح مدد کرنا ہے جو اپنی قوم کے عمومی چلن یا روش کے برخلاف مغربی تہذیب کو اپنانے پر رضامند نظر آتے ہوں۔

(الغارۃ علی العالم الاسلامی، ص: ۱۱)

ایک اور مسیحی مبلغ ''تکلی'' لکھتا ہے:

''ہمیں چاہیے کہ ہم سیکولر بنیادوں پر مدارس کے قیام کی حوصلہ افزائی کریں کیونکہ بے شمار ایسے مسلمان دیکھے گئے ہیں جنہوں نے مغربی مدارس کی کتابیں پڑھیں اور غیر ملکی زبانیں سیکھیں تو قرآن اور اسلام سے متعلق ان کے عقیدے میں تزلزل پیدا ہو گیا''۔

(التبشیر والاستعمار، ص ۸۸۱)

وحدتِ مسلمین کا خاتمہ:

دشمنانِ اسلام مسلمانوں کو ان کی عزت اور قوت سے محروم کر کے انہیں ذلیل اور کمزور کرنا چاہتے ہیں ایسا کرنا وحدتِ اسلامی کو پارہ پارہ کئے بغیر ممکن نہیں۔

مسیحی مصنف سائمن لکھتا ہے:

''عرب اسلامی ممالک کی وحدت دیگر اسلامی ممالک کی امیدوں کا مرجع اور مرکز ہے، یہ وحدت ہی یورپ کے مسلمانوں پر مکمل تسلط کے ارادے میں آڑ بنتی ہے، مشنریوں کے کام میں بھی رکاوٹ کا سب سے بڑا سبب یہی ہے لہٰذا ہمیں اپنے پروپیگنڈے اور تبلیغ کے زور سے وحدتِ اسلامی کے اس رجحان کو بدل ڈالنا چاہیے۔ (کیف هدمت الخلافة، ص ۱۹۰)

لارنس براؤن کہتا ہے:

''اگر مسلمانوں کی عرب شہنشاہیت میں اتحاد قائم ہو گیا تو وہ دنیا کے لئے خطرہ بن جائیں گے اور یہ وحدت مسلمانوں کے لئے ایک نعمت ثابت ہو گی لیکن اگر وہ متفرق رہے تو بے وزن اور غیر مؤثر ثابت ہوں گے۔ (جذور البلاء، ص ۲۰۲)

مسلمان خواتین کو گمراہ کرنا:

اس مقصد میں کامیابی کے لئے آزادیٔ نسواں کی تحریکوں، حقوق و مساوات کے معاملے میں مردوں کے ساتھ جھگڑوں، تعددِ ازدواج اور اباحتِ طلاق جیسی بحثوں کو

اچھالا جا رہا ہے، دراصل وہ اسلامی شریعت کی موجودہ حالات سے ہم آہنگی کی صلاحیت کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنا چاہتے ہیں، زویمر جو مسیحی تعلیمی مشن کا صدر ہے، اپنے پمفلٹ ''آج کا اسلام'' میں لکھتا ہے:۔

دین اسلام کے عقائد میں عقیدہِ توحید ایسی مضبوط بنیاد ہے جس نے برِّ اعظم ایشاء اور افریقہ کے وسیع خطے پر اپنے اثرات مرتب کر لئے ہیں۔۲۰۰ملین افراد اس کی شریعت و عقائد کے پیروکار بن چکے ہیں اور دوسری چیز جو ان کو (مسلمان مراد ہیں) اس سے بھی زیادہ باہم مربوط رکھنے کا ذریعہ ہے وہ عربی زبان ہے، یہ لوگ پہاڑ کی چوٹی پر واقع آثارِ قدیمہ یا کھنڈرات کی مانند ہیں یا پھر ان کی مثال اس فلک بوس پہاڑوں کے سلسلے کی سی ہے جس کی آسمان کو چومتی ہوئی چوٹیاں نورِ توحید سے منور ہوتی ہیں، وہ اپنے دامن کی توسیع تعددِ ازدواج اور کے،! ذریعے جاری رکھے ہوئے ہیں۔(الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۳۳)

یہ دشمنِ اسلام اپنی بات کا اختتام مسیحی مبلغین کو مایوسی سے مجتنب رہنے کی نصیحت پر کرتا ہے۔کہتا ہے: ''فکر نہ کرو آزادیِ نسواں کا گھن اسلامی معاشرے کی ہڈیوں کو چور چور کردے گا'' وہ کہتا ہے'' کہ مسیحی مشنریوں کو مسلمانوں میں اپنی تبلیغ کا کمزور نتیجہ دیکھ کرنا امید نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے دل یورپی علوم اور آزادیِ نسواں کی تحریکوں کی طرف پورے جوش وخروش سے مائل ہو رہے ہیں۔''

مشہور فرانسیسی مصنف ''سیوا تین لامی'' فرانسیسی مجلّہ العالمین بمطابق (۱۵ستمبر۱۹۰۱) میں عالمِ اسلام کے انہدام کے لئے آزادیِ نسواں کی تحریک کو ایک مثالی منصوبہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

''مسلمانوں کی اولاد کی ذہن سازی کی حسبِ منشا ذہن سازی کے اثرات کو اگر ہم واقعی دیکھنا چاہتے ہیں تو مسلمان لڑکیوں کی مشنری اداروں میں تربیت کرنا اس سلسلے میں

ہمارے لئے بہت سودمند ثابت ہوسکتا ہے۔ہم اگرچہ شب وروز اس منصوبے کی تکمیل کے لئے جدو جہد میں مصروف ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ مسلمان لڑکیوں کی اس انداز سے تربیت اسلام کو اہلِ اسلام کے ہاتھوں ہی ختم کروانے کا منفرد اور واحد طریقہ ہے۔

عزیز مسلمان اخوان واخوات:

شیخ کی مندرجہ بالا تحریر میں اسے مشتِ ازخروارے کے مصداق دیئے گئے چند ہی حوالوں سے آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ عیاشیوں کے اس ملعون منصوبے کے اہم نکات کیا ہیں۔

یقیناً ان سے بخوبی علم ہوجاتا ہے کہ اسلام دشمنوں کے مذموم ارادوں کا محل ہماری ثقافت اور دین کے کون کون سے اہم ستونوں کے انہدام کے عزائم پر تعمیر ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ہی یاد رکھئے کہ فرمانِ الٰہی :۔

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم:٦)

(اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ) نیز ارشاد نبوی ﷺ:

"كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ"۔(تم میں سے ہر ایک مسئول ہے) آپ کے افکار واعمال پر دستک دے رہے ہیں۔آیئے۔!

ذرا لمحہ بھر کے لئے سوچیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو اور گھر والوں کو دشمنوں کی بھڑکائی ہوئی اس آگ سے بچانے کے لئے کیا کر چکے ہیں! نیز جنت کی باغ و بہار ابدی زندگی کے حصول کو حتمی بنانے کے لئے آئندہ کیا کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

وَبِيَدِهِ اللّٰهِ التَّوْفِيْق ١٩٩٥ء

اسلام اور مسلمانوں پر اہل مغرب کی یلغار کیوں؟

مندرجہ بالا عنوان کے تحت روزنامہ ''خبریں'' 26 جون 1995ء میں برطانوی ''اخبار اکانومسٹ آف لنڈن'' کے ایڈیٹر ''اسٹیفن جونز'' اور ''زیڈ اے سلیری'' صاحب کی مراسلت کا ترجمہ نظر سے گزرا۔ اسٹیفن صاحب نے سلیری صاحب کے ذاتی مؤقف پر اعتراض کے علاوہ کچھ اعتراض براہ راست تعلیمات اسلامی پر کیے ہیں۔ نہ جانے کیوں ''سلیری صاحب'' نے ان کا جواب دینے سے اغماض برتا۔ زیر نظر سطور میں سلیری صاحب کا مضمون اور اسٹیفن جونز دونوں کی مراسلت بھی دی جارہی ہے اور اسٹیفن جونز کے اسلام پر کیے گئے اعتراضات کا نکات وار جواب بتوفیق ربانی پیش کیا جارہا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ پاکستان کو ہمیشہ بھارت کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وہ ابھی تک پاکستان کو دل سے تسلیم ہی نہیں کرسکا۔ اس نے ہمیں امریکی جال میں پھنسنے پر مجبور کردیا جس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں دوہرے مکتبہ فکر نے جنم لیا اور معاشرہ ''ترقی پسند'' اور ''قدامت پسند'' طبقوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ نام نہاد ترقی پسندوں نے مغربی اقدار کو اپنانے کا راستہ چنا اور ان کے نقطہ نظر کی حمایت میں انگریزوں کی زیر نگرانی اسلام دشمن لٹریچر تخلیق کیا جانے لگا۔ دوسری یہ کہ قدامت پسندوں نے اسلام کی راہ میں درپیش نئی مشکلات کی نوعیت کو محسوس نہیں کیا۔ مثال کے طور پر سود سے اجتناب اسلام کا ایک اہم معاشی اصول ہے لیکن مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں اس کا نفاذ اتنا آسان نہیں۔ سود کو حرام قرار دینے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بینک سے اپنی رقم پر سود لینا چھوڑ دیں یا اسے منافع کا نام دیں۔ یہ سب کچھ خود کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ جب تک ہمارا ملک غیر ملکی قرضوں کے بوجھ تلے دبا رہے گا اور ہمیں ان قرضوں پر سود دینے پر مجبور رہنا پڑے گا' اس وقت

تک بین الاقوامی سودی نظام بھی برقرار رہے گا۔اس وقت پاکستان کو اپنے بجٹ کے سب سے بڑے شعبے یعنی دفاع کے مقابلے میں زیادہ رقم عالمی بینک کو سود کی صورت میں ادا کرنا ہوتی ہے۔

پاکستانی معاشرے کو سود کی بیساکھیوں سے نجات دلانے کے لئے ایک ایسے معاشی نظام کی ضرورت ہے جو مغربی نظام کے متوازی چلنے کی طاقت رکھتا ہو۔اس نظام کے تحت اسلامی ممالک مشترکہ طور پر ایک وسیع معاشی میدان اور ضروریاتِ زندگی پیدا کر سکتے ہیں۔سودی نظام کے خاتمے کے لئے سب سے پہلے مسلمان ممالک کے اتحاد کی ضرورت ہے۔جب تک وہ متحد ہو کر اسلام کے اس اہم ترین حکم پر عمل پیرا نہیں ہوں گے، وہ مغرب کے سودی نظام کی زنجیروں میں بندھے رہیں گے۔معاشی استحکام اور خود مختاری کی غیر موجودگی میں مسلمان ممالک مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ مغربی ممالک کی تقلید کریں اور اپنے اس عمل کی توجیہ کے لئے ''ترقی پسند اسلام'' کا پرچار کریں۔نظریات کے اس تضاد سے پاکستان میں مکمل اسلامی معاشرہ تو وجود میں نہ آسکا لیکن مارکس کے نظریات کو پھیلانے کے لئے روسی نمک خوار کیمونسٹوں نے حالات کا خوب فائدہ اٹھایا۔

پاکستان میں نظریاتی الجھاؤ' سیاسی نظام کی ٹوٹ پھوٹ اور طویل فوجی دور کی وجہ سے مزید شدت اختیار کر گیا۔پہلے تو نظریاتی افراتفری نے ملک کی یہ حالت کر دی کہ وہ بھٹو کے نعرے ''روٹی' کپڑا اور مکان'' کے بہکاوے میں آگیا۔اس شرمناک نظریئے کا مقصد سیکولر سوشلسٹ معاشرے کا قیام تھا جو پاکستان کی اسلامی بنیادوں کا مذاق اڑانے کے مترادف تھا۔اس تاریک صورتحال میں مسلم قومیت کا تصور اس حد تک پس منظر میں چلا گیا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے تضادات ان کی علیحدگی کی صورت میں برآمد ہوئے۔ایک مرتبہ جب بنیادی اصولوں سے انحراف کیا گیا تو پھر باقی ماندہ پاکستان کے پاس بھی کوئی نظریہ نہیں رہا۔اس کے صوبوں کے اتحاد کے لئے فوجی قوت کا استعمال ناگزیر ہو گیا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صورتحال ہمیشہ یہی رہے گی؟ یہ ایک ایسا تکلیف دہ سوال ہے جس کا سامنا کرتے وقت ہمارے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے۔

اس سوال پر غور کرنے کے لئے ہمارے پاس بہت اچھا موقع ہے کیونکہ کراچی کی افسوسناک صورتحال کی وجہ سے ہمارے تمام حواس بیدار ہو چکے ہیں اور ہم بہتر طور پر اپنے دلوں کے اندر جھانک سکتے ہیں۔یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ موجودہ نازک حالات میں پاکستان کا وجود سخت خطرے میں ہے۔ہم ہندوؤں اور انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے تھک کر نڈھال ہو چکے ہیں۔دوسرے الفاظ میں ہمیں قومیت کے اس تصور کو فروغ دینا ہوگا جس کی وجہ سے ہمیں مقامی باشندہ تصور کیا جاتا تھا اور

ہماری ایک پہچان تھی۔ یہ علاج صرف اسی صورت میں کارگر ہوسکتا ہے اگر ہم دیانتداری سے اسلام کی طرف رجوع کریں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ماضی میں تاریخ اور ثقافت کی بنیادوں پر ہم نے مسلم قومیت کا تصور قائم کیا تھا اور اب ہم اسلام پر غور وخوض کے بعد اس کو تسلیم کر کے دوبارہ مسلم قومیت کے ہتھیار سے مسلح ہو سکتے ہیں۔ علامہ اقبال کے اس خطبے کو ذہن میں رکھئے جو انہوں نے 1930ء میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں دیا تھا۔ ان کے الفاظ تھے:

''انتہائی نازک صورتحال میں ہمیشہ اسلام ہی مسلمانوں کو بچانے کے لئے آتا ہے اور یہ کبھی نہیں ہو کہ مسلمانوں نے اسلام کو بچایا ہو۔''

اسی طرح آزاد قوم کی حیثیت سے ہمارا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے۔ اسلام کی راہ پر چلنے کے لئے ہمیں مغرب کی سخت مخالفت کا سامنا ہے۔ رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے اسلام مخالف مصنفین کا مغرب نے جس طرح دفاع کیا وہ مغرب کی اسلام سے ''الرجی'' کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ نیٹو کے جنرل سیکرٹری ولی کلیز کا بیان دیکھئے:

''روسی کمیونزم کے خاتمے کے بعد مغرب کو سب سے زیادہ خطرہ اسلامی بنیاد پرستی سے ہے''۔

مسلمانوں پر مغرب کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا اندازہ آپ اس طرح کر سکتے ہیں کہ دنیا کے ایک ارب مسلمانوں کو اپنے لئے ترقی پسند یا بنیاد پرست میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اس کا سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ بنیاد پرستی کا انتخاب کرتے ہیں تو سمجھ لیں کہ آپ عذاب کو دعوت دے رہے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں وہ کون سی بنیاد پرستی ہے جسے مغرب کے لئے مستقل خطرہ تصور کیا جارہا ہے؟ خدا کی وحدانیت اسلام کا اہم ترین بنیادی نظریہ ہے۔ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ اس کائنات کا خالق ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔

دنیا کے سمٹ جانے کے بعد اس کے باشندوں کے درمیان جذباتی تضادات میں اضافے کا مسئلہ ہم کس طرح حل کر سکتے ہیں؟ جب تک دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والی اقوام اپنی بصارت اور احساسات میں وسعت پیدا نہیں کرتیں تب تک پُرامن دنیا کا تصور ناممکن نظر آتا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ذہن کی بجائے جذبات کا زیادہ عمل دخل ہے کیونکہ فکری سطح پر انسانی حقوق کی تحریکوں کے باوجود گروہی عدم مساوات کا مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ اگر ہم ذہن سے کام لینے کے بجائے دل سے کام لیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اپنے جیسا تصور کریں تو یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کی

بنیادی اقدار ہی کارگر ہو سکتی ہیں۔ ایک خدا اور سبھی انسانوں کو برابر تصور کرنے کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔ اگر ہم دنیا کی موجودہ حالت پر غور کریں تو کیا ہمیں ایک ایسے نظریئے کی ضرورت نہیں جو انسانوں کے درمیان تمام نسلی، لسانی اور علاقائی رکاوٹیں دور کر سکے؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو پھر مغرب کو اسلام کے متعلق اپنے تمام خوف اور خدشات کو ختم کرنا ہوگا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو انتہا پسند، جنگجو اور دہشت گرد قرار دینے کے پیچھے کون سے عزائم پوشیدہ ہیں؟ اس سوال کا حل ڈھونڈنے کے لئے ہمیں فلسطین کا رُخ کرنا ہوگا۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد بالفور معاہدہ ترتیب دیا گیا جس کے تحت یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دی گئی۔ دوسری جنگ عظیم میں نازی جرمنی سے پناہ لینے کی آڑ میں اتنے یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دی گئی کہ ان کی آبادی مقامی عرب باشندوں سے زیادہ ہوگئی۔ اس کے بعد فلسطین کی تقسیم ہوئی اور 1948ء میں اقوامِ متحدہ کی کوششوں سے اسرائیل معرضِ وجود میں آیا۔ یہاں ہم برطانیہ کی متضاد پالیسی پر کچھ بات کر سکتے ہیں۔ اس نے فلسطین میں یہودیوں اور برصغیر میں مسلمانوں کے متعلق بالکل مختلف حکمتِ عملی اپنائی۔ برطانیہ نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری اور پھر ان کے لئے علیحدہ وطن کی بھرپور حمایت کی حالانکہ فلسطین بنیادی طور پر عربوں کا وطن تھا۔ دوسری طرف اس دور میں 10 کروڑ مسلمانوں کو ان کے اکثریتی علاقوں میں حق خودارادی سے محروم رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ان حالات میں فلسطین کے عوام نے وہی کیا جو دوسرے ممالک کے عوام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے وطن سے محروم ہونے کے بعد اقوام متحدہ کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔ جب بغاوت ہوتی ہے تو آپ لڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس وقت سے لے کر آج تک فلسطینیوں کو جنگجو، انتہا پسند اور دہشت گرد تسلیم کیا جاتا ہے۔ واہ کیا منطق ہے کہ مزاحمت کو دہشت گردی کا نام دیا جارہا ہے۔

اب ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ ان حالات میں مسلم دنیا کہاں کھڑی ہے؟ اگر میں صرف قرآن پر ایمان کو مدِ نظر رکھوں کہ جس کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا تو میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کا مستقبل بہت روشن ہے۔ قرآن میں مسلمانوں کو آخری فتح کی یقین دہانی کرائی گئی ہے، اگر وہ اپنے ایمان پر قائم رہیں۔ اس طرح ایمان کی سطح پر میرے دل میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ہی انسانیت کی بقا کا ضامن ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کے عقلی اور عملی شواہد بھی موجود ہیں کہ اسلام دنیا کی تقدیر بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے کہ اقوام کی تقدیر کیسی بھی ہو اسلام کی کوئی تقدیر نہیں، یہ

لا فانی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت دنیا کی اہم ترین ضرورت اس کو جغرافیائی طور پر اکائی میں تبدیل کرنا ہے۔ جب تک انسانی برابری کا تصور صرف کتابوں کی حد تک موجود رہے گا دنیا میں ایسا معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا، جہاں سبھی افراد کو برابر کے حقوق میسر ہوں۔ اس سلسلے میں اسلام مساوات کا تصور پیش کر کے انسانیت کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے جہاں کسی کو بھی کسی پر فوقیت حاصل نہیں۔ دنیا میں مسلمان ہی ایسے لوگ ہیں جو مذہبی طور پر اس بات کے پابند ہیں کہ نسل کے لحاظ سے انسانوں کی تفریق نہ کریں۔ اس طرح مسلمان صرف اپنے طرزِ عمل سے انسان کا ذہن تبدیل کر سکتے ہیں۔ انسان کا مستقبل ان سے وابستہ ہے کیونکہ ان کا اپنا مستقبل یقینی ہے۔

دوسری طرف دنیا کی ایک ارب مسلم آبادی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بھارت کے ہندو اپنے ملک کے اندر ہی ذات پات کے نظام میں مقید ہیں جو کہ اس کے برعکس مسلمان پوری دنیا میں موجود ہیں۔ انہیں جغرافیائی اور معاشی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان نے جوہری صلاحیت حاصل کر لی ہے اور چند عشروں کے بعد بہت سے اسلامی ممالک مغرب کے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو جائیں گے۔ اس سلسلے میں مغرب خوفزدہ ہے اور وہ اسے روکنے کے لئے ابھی سے جدوجہد کر رہا ہے۔ مغرب کو مسلمانوں کی موجودہ طاقت سے خطرہ نہیں بلکہ اس طاقت سے خطرہ ہے جسے وہ آئندہ پچاس برسوں میں حاصل کر سکتے ہیں۔ دور کے اسی خطرے سے مغرب خوفزدہ ہے اور وہ اسے روکنے کے لئے ابھی سے جدوجہد کر رہا ہے۔ مغرب کی طرف سے اسلام کو اپنا آئندہ حریف تصور کرنا ہے یہی اسلام کی شان و شوکت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ مغرب کو یہ معلوم ہے کہ ہندوستان میں ہندو مت اور اسلام اکٹھا نہیں چل سکتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے بھارت کو دوست تصور کیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اسلام کے متعلق مغرب کے متضاد رویئے کی کیا وجوہات ہیں؟ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام واحد نظام ہے جو مغربی اقدار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ مغرب کے سیکولر نقطہٴ نظر نے ان کے معاشرے کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے جبکہ اسلام کے بنیادی عقائد انسانی کشتی کو مضبوط لنگر فراہم کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ اگرچہ بہت سی تبدیلیوں سے گزر سکتا ہے لیکن ان کی بنیادیں ہمیشہ مضبوط اور مستحکم رہیں گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دنیا کی تمام اقوام مغربی ثقافت کے زیرِ اثر آ چکی ہیں۔ نراد چودھری جیسے شہرت یافتہ عالم کا کہنا ہے کہ موجودہ ہندو معاشرہ کبھی اس حالت میں نہ ہوتا اگر یہ برطانیہ

نے اسے اپنی ''روشن خیالی'' منتقل نہ کی ہوتی۔ جاپان ہر معاملے میں مغرب کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔ چین میں اگرچہ ابھی تک کیمونزم موجود ہے لیکن معاشی اور ثقافتی طور پر چینی معاشرے میں زبردست تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ اس طرح صرف مسلم دنیا ہی مغرب کے اثرات سے محفوظ رہی اور یوں مغرب اسے اپنے لئے خطرہ تصور کرنے لگا۔ امریکہ کے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا مقصد بھی اس خطرے سے نپٹنا ہے۔ سوویت یونین کے ساتھ مغربی تصادم معاشی نظام کی حد تک محدود تھا لیکن اس کے مقابلے میں اسلام ایک ایسا نظام ہے جو نہ صرف کائنات کے متعلق مختلف نظریہ رکھتا ہے بلکہ اخلاقی اور معاشی لحاظ سے بھی اس کے پاس ایسی تہذیب موجود ہے جس کی جڑیں مسلمانوں کے دلوں اور تاریخ میں پیوست ہیں۔ اس لئے اسلام کا مقابلہ کرنا اتنا آسان نہیں۔ اسلام کے خلاف لڑی گئی جنگوں سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مغرب کے جو بھی عزائم اور طریقہ کار ہو اسلام کے پاس ان کا مناسب جواب موجود ہے۔ مغربی ممالک کی طرف سے اسلام کو اپنے لئے خطرہ تصور کرنا مسلمانوں کو مسلم دنیا کے اتحاد کے لئے مجبور کر دے گا۔ شاید ہندو غلبے کا خوف برصغیر کے مسلمانوں کو ایک متحد قوت بنا دے۔ اتحاد کے بغیر مسلم دنیا بین الاقوامی برادری کے نقطہ نظر پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اپنے وسائل کے بہتر استعمال کے لئے مسلمانوں کو مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں اپنا معاشی نظام قائم کرنا ہوگا تاکہ وہ ہم آہنگی اور خود انحصاری کی منزلوں تک پہنچ سکیں۔ روس میں انقلابی کیمونسٹوں کے پاس موقع تھا کہ وہ ناکام ہوئے تو یہ ناکامی رقبے اور آبادی کی کمی کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ اس طرح مسلم دنیا کا اتحاد اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ دنیا پر اپنا اخلاقی اثر چھوڑ سکیں اور اپنی مخصوص معیشت کا ڈھانچہ بہتر بنا سکیں۔

مسلم دنیا کے متعلق یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ 21ویں صدی اسلام کی صدی ہوگی۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہنا چاہئے کہ اسلام زندہ رہنے کی صلاحیت کے علاوہ اور بھی بہت سی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ یہ پوری دنیا کے لئے ہے اور دنیا میں اسے اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ جس طرح مسلمانوں پر اپنا احتساب ضروری ہے اسی طرح اسلام کے پیغام کو پھیلانا بھی ان پر فرض ہے۔ اگر مغرب کی فضا اسلام دشمنی سے مکدر ہو چکی ہے تو اس میں بھی ہمارا ہی قصور ہے کہ ہم نے ان تک سچ پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ فتوحات سے بھی اسلام پھیلتا ہوگا لیکن یہ بنیادی طور پر صوفیاء کرام اور مبلغین کی تبلیغ اور عمل کا نتیجہ ہے۔ اس وقت بھی یہی طریقہ کار اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان پر خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مسلم دنیا کو مغرب میں نظر آنے والی مخالفت سے فکر مند نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ وہ اللہ کے آخری پیغام کی محافظ ہے اور را سے ہر

حالت میں یہ پیغام دنیا کے چاروں کونوں تک پہنچانا ہے۔ مسلم دنیا کا یہ فرض ہے کہ وہ سیکولر ترقی پسندی کے لیبل کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دے۔

اکانومسٹ آف لندن ایک باوقار بین الاقوامی جریدہ ہے وہ پاکستان کے پس منظر میں مغرب اسلام تعلقات کے متعلق گاہے بگاہے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ میں نے اپنا مضمون اس کے ایڈیٹر کو بھیجا کہ شاید اسے اس سلسلے میں پاکستانی مؤقف جاننے کی دلچسپی ہو۔ اس کے جواب میں مجھے اکانومسٹ کے انٹرنیشنل ایڈیٹر سٹیفن جونز کا تین صفحاتی خط موصول ہوا۔ میں نے ان سے یہ خط ''نیوز'' میں چھاپنے کی اجازت طلب کی جو انہوں نے بخوشی دے دی۔ ان کا خط اور میری طرف سے بھیجا گیا خط پیش خدمت ہے۔

اکانومسٹ کے ایڈیٹر کا خط:

ڈیئر مسٹر سلیری! میں آپ کے خط کے جواب میں آپ کی خدمت میں تاریخ کے کچھ حقائق پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں آپ نے یہ ٹھیک نہیں لکھا کہ ''پاکستان کے قیام میں انگریزوں نے اپنی آخری حد تک مخالفت کی۔''

ہاں یہ درست ہے کہ وہ متحدہ بھارت پر یقین رکھتے تھے (شاید آپ کو یاد ہو کہ انہوں نے شاہی ریاستیں بھی ختم نہیں کی تھیں) ہاں میں اس بات سے بھی متفق ہوں کہ ماؤنٹ بیٹن تعصب کی حد تک نہرو کی حمایت کرتا تھا لیکن آپ جانتے ہیں کہ بھارتی تاریخ دان اور کانگریسی سیاستدان جان بوجھ کر انگریزوں پر ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی اپنانے کا الزام لگاتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابتداء میں انگریزوں کا رویہ جو بھی ہو لیکن 47-1945ء میں ماؤنٹ بیٹن سمیت تمام انگریز لیڈروں نے قیام پاکستان کا مطالبہ تسلیم کیا تھا۔

آپ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ فلسطینی یہودیوں کے لئے وطن کے قیام میں برطانیہ کا ہاتھ ہے۔ یہ درست ہے کہ اس نے بالفور معاہدہ تشکیل دیا لیکن جلد ہی اسے فلسطین کے متعلق اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اس نے اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرلی۔ 1930ء کی عرب بغاوت کے بعد انگریزوں نے 1939ء میں میکڈونلڈ وائٹ پیپر جاری کیا جس کے تحت ایک یا دو سال کے دوران فلسطین میں یہودیوں کی مزید آبادکاری رک جاتی۔ وہ 47-1944ء میں صیہونی گروپوں کی مخالفت کرتے رہے اور انہوں نے اسرائیل کے قیام کو قانونی بنانے کے لئے اقوام متحدہ میں اپنا ووٹ بھی نہیں ڈالا۔

جہاں تک آپ کا یہ خیال ہے کہ مغرب میں والدین یا خاوند کی وفات کے بعد عورت کو اس کی جائیداد

میں حصے دار نہیں بتایا جاتا تو یہ سراسر جھوٹ ہے۔ جتنے یورپی ممالک کو میں جانتا ہوں ان میں تو ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ (اگر آپ کا اشارہ الجزائر کی طرف ہے تو پھر شاید مجھے پڑھنے میں غلطی ہوگئی لیکن آپ کو اپنے نکتے کی وضاحت کرنا چاہئے تھی۔

میرا خیال ہے کہ مساوات اور اس کے متعلق آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ صرف مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں۔ جہاں تک نسلی مساوات کا تعلق ہے تو عیسائی اور دوسرے لوگ بھی اس نظریئے پر یقین رکھتے ہیں لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ عام طور پر اس پر عمل نہیں کرتے۔ (یہاں میں الجزائر کے اسلام پسندوں کا ذکر کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں جو غیر ملکی کو سفید فام کا نام دے کر نشانہ بناتے ہیں) اس کے علاوہ مساوات کے متعلق ہمارا نقطہ نظر آپ کی نسبت زیادہ وسیع ہے۔ نسلی مساوات تو مساوات کی ایک قسم ہے لیکن مساوات کی اور بھی قسمیں موجود ہیں جو اسلام نہیں ملتیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ مغرب کی ہر غیر مسلم خاتون کو یہ معلوم ہے کہ اسلام اسے مرد کے برابر جگہ نہیں دیتا۔ اسے ساتویں صدی کے عرب میں عورتوں کو دی جانے والی رعایات سے مطمئن نہیں جا سکتا اور نہ ہی وہ اس بات سے قائل ہوسکتی ہے کہ مسلمان عورتیں اپنی حالت سے مطمئن ہیں۔ مغربی عورت یہ جانتی ہے کہ اسلام مردوں کو وہ حقوق دیتا ہے جن سے عورتیں محروم رہتی ہیں۔ یہاں برطانیہ میں ایک مسلمان کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو مجھے حاصل ہیں لیکن سعودی عرب میں ایک غیر مسلم کو وہ حقوق حاصل نہیں جو ہر مسلمان کو حاصل ہیں۔ ہمارے ملک میں مسلمان کسی رکاوٹ کے بغیر اسلام کی تبلیغ کر سکتے ہیں لیکن آپ کے سعودی عرب میں عیسائیوں سمیت کسی کو بھی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر آپ برطانیہ میں اسلام کی سچائیوں کو پھیلانا چاہتے ہیں تو یہ آپ کا حق ہے۔ آپ ریجنٹ پارک کے کونے میں ایک شاندار مسجد تعمیر کر سکتے ہیں جبکہ مسلم ممالک میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو کبھی بھی یہ حق نہیں دیا جاتا۔ اگر میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں تو یہ میرا حق ہے لیکن اگر میں کسی غیر مسلم ملک کا باشندہ ہوتے ہوئے عیسائیت قبول کرنا چاہوں تو اس کا مجھے کوئی حق نہیں۔

اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ مسلمان مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔ اگر آپ اس نظریئے کو سنجیدگی سے لیتے ہیں تو پھر نتیجے کے طور پر ریاست کے متعلق آپ کا نظریہ بھی بدل جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں نظر آ رہا ہے کہ آپ مسلمان لوگ ہمارے متعلق عدم برداشت کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ ہمیں ''ذمی'' قرار دے کر یہ اجازت دیتے ہیں کہ ہم اپنے گھر میں جو چاہے کریں' لیکن کیا یہ کمتری کی صورتحال نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ماضی میں مسلم ریاستوں میں غیر مسلموں کے ساتھ عیسائی

ریاستوں میں غیر عیسائی کی نسبت اچھا سلوک ہوتا رہا ہے۔ لیکن محض ماضی کی مثالوں سے دل نہیں بہلایا جا سکتا۔ ہم لوگ ماضی کی ان رسموں کو کافی حد تک بھلا چکے ہیں۔

میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ مغرب میں اسلام کے خلاف نفرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا مقصد معاشی طاقت یا غلبہ حاصل کرنا نہیں۔ یہ صورتحال ابھی پیدا ہوئی ہے۔ ہماری جنگ سپرٹ کا اختتام 1800-1600 کے درمیان ہو گیا تھا اور مسلمان ممالک پر ہماری حالیہ بادشاہت ہماری تاریخ کا مرکزی نکتہ نہیں۔ مغرب میں مسلم مخالف جذبات نے 15 برس ہوئے دوبارہ سر ابھارا ہے۔ یہ صورتحال تیل بند کرنے کی دھمکی سے کئی سال بعد پیدا ہوئی' اس لئے اس کے پیچھے کوئی سیاسی اور معاشی عزائم نہیں۔ میرے خیال میں مغرب میں بڑھتی ہوئی اسلام دشمنی کی سب سے بڑی وجہ خود مسلمان ہیں جو ظاہری طور پر یہ ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ وہ نہ خود زندہ رہنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو زندہ رہنے دیں گے۔ اگر ہم رشدی کیس کی مثال لیں تو اسے توہین اسلام کا ملزم ٹھہرانا آپ کا کام ہے' ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں لیکن اگر آپ اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی ہمارے ملک میں تو پھر اسلام کے خلاف لوگوں کی نفرت بڑھے گی اور بڑھنی بھی چاہئے۔

میں اپنی مثال پیش کرتا ہوں' میں مغرب کی طرف سے اسرائیل کی حمایت پر تنقید اور فلسطینیوں کے سیاسی حقوق کے لئے بات کرتا رہتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں بوسنیا کی حکومت پر لگائی جانے والی ہتھیاروں کی پابندی کے بھی سخت خلاف ہوں۔ آپ کے مضمون اور اس میں اسلامی فتح کی خوشخبری سے مجھے وکٹوریہ دور کی عیسائیت یاد آ گئی۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ جناب سلہری کو اپنے خیالات کی آزادی ہے' وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ ان کے خیالات میرے خیالات سے برتر ہیں لیکن اگر یہی خیالات وہ ہمیں پیش کریں تو انہیں شکریئے کے ساتھ واپس ہی کیا جا سکتا ہے۔

میں مسلم مخالف جذبات کے تحت یہ الفاظ نہیں لکھ رہا کیونکہ ایسا کرنے کے لئے میں تین صفحات استعمال نہ کرتا۔ میرا خیال ہے کہ مغرب کے لوگوں کے جذبات سمجھنے میں آپ ناکام رہے ہیں۔ آپ کو اس امکان پر غور کرنا چاہئے کہ شاید میں ٹھیک کہہ رہا ہوں کیونکہ میں بھی مغربی لوگوں میں سے ہوں۔ (نیک تمناؤں کے ساتھ اسٹیفن ہیو جونز)

زیڈ اے سلہری کا جواب:

ڈیئر مسٹر ہیو جونز! آپ نے جو خط لکھا' میں اس کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ کے خط سے مجھے مغربی نقطہ نظر کے کئی پہلوؤں سے آگاہی حاصل ہوئی۔ پہلے تو میں تاریخ کے "چند غیر اہم

پہلوؤں" پر چند الفاظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ جہاں تک تحریک پاکستان کا تعلق ہے تو میں اس کے آغاز سے ہی اس سے وابستہ رہا ہوں۔ 1940ء اور اس کے بعد ہونے والے تمام اہم واقعات جن میں کرپس مشن 1940ء جناح گاندھی مذاکرات (1940ء) اور پہلی شملہ کانفرنس (1945ء) شامل ہیں میں نے ان کی کوریج کی۔ میں ان رکاوٹوں سے بھی آگاہ ہوں جنہیں مسلم لیگ کے راستے میں کھڑا کیا گیا اور برطانیہ اور کانگریس کی اس مخالفت سے بھی آگاہ ہوں کہ وہ مسلم لیگ کو 10 کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے سے ہمیشہ انکاری رہے۔ 46-1945ء کے عام انتخابات کے بعد انہیں دل پر پتھر رکھ کر تیسری پارٹی کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔

اگست 1945ء میں مسلم اخبارات کے نمائندے کی حیثیت سے مجھے لندن کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس طرح میں نے اس طریق کار کو اپنی آنکھوں کے سامنے وجود میں آتے دیکھا جس کے نتیجے میں برصغیر کی آزادی میں آئی۔ لندن میں اپنے قیام کے دو برسوں میں مجھے وائٹ ہال' پارلیمینٹ یا فلیٹ سٹریٹ میں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو قیام پاکستان کا حمایتی ہو۔ کنزرویٹو پارٹی کے ارکان کانگریس کی مخالفت ضرور کرتے تھے لیکن وہ برصغیر کی تقسیم کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا یہ منفی رویہ آخر تک قائم رہا۔ برطانوی حکومت کے نقطہ نظر سے مکمل طور پر ہمیں آگاہی اس وقت ہوئی جب 22 دسمبر 1946ء کو قائداعظم نے تقریر کی تھی۔ وہ زونل سکیم پر حتمی مذاکرات کے لئے پنڈت نہرو' سردار بلدیو سنگھ اور وائسرائے کے ہمراہ لندن پہنچے تھے۔ اس سے پہلے کانگریس زونل سکیم کو سبوتاژ کر چکی تھی۔ اپنی تقریر میں قائداعظم نے یہ کہا کہ تین رکنی مذاکرات میں قیام پاکستان پر اتفاق رائے پیدا نہیں ہو سکا، حالانکہ یہ مذاکرات 1946ء کے آخری دنوں میں ہوئے تھے اور اس وقت قیام پاکستان کے علاوہ اور کوئی تیسرا راستہ موجود بھی نہ تھا۔ اس کے باوجود پاکستان کو ایجنڈے میں شامل ہی نہیں کیا گیا۔ اس سے پہلے انگریزوں کی مخالفت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ شکر ہے کہ آپ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ماؤنٹ بیٹن' نہرو اور کانگریس کی مکمل حمایت کرتے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کی نفرت کی مثالیں بہت سی کتابوں میں موجود ہیں' لیکن یہاں ریڈ کلف ایوارڈ کی مثال دینا ہی کافی ہے' جس کے تحت گورداسپور جیسا مسلم اکثریت والا ضلع بھارت کے حوالے کر دیا گیا' جس کی وجہ سے مسئلہ کشمیر نے جنم لیا' جو ابھی تک پاک بھارت تعلقات میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

اس حقیقت کو بھی کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ بالفور معاہدے کے تحت اسرائیل کے قیام کا بیج بویا گیا۔ برطانیہ نے اگر اقوام متحدہ میں اسرائیل کے قیام کے حق میں ووٹ نہیں ڈالا تو اس میں ضرور اس کا کوئی مفاد

ہوگا۔لیکن وہ اس بات سے انکارنہیں کرسکتا کہ اسرائیل کی بنیادیں اسی نے استوار کی تھیں۔صورتحال کچھ بھی ہو' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امریکہ اور سوویت یونین کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد کتنے عرصے تک برطانیہ نے اسرائیل کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔

میں نے اپنے مضمون میں یہ نہیں لکھا تھا کہ مغرب میں عورتوں کو جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا۔اگر ان کے والدین یا خاندان کے لئے اپنی جائیداد میں کچھ حصہ مقرر کریں تو یہ حصہ انہیں ضرور ملتا ہے' لیکن میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ والدین یا خاوند پر یہ فرض نہیں کہ عورت کے لئے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ مخصوص کردیں۔اس کے برعکس اسلام میں عورت کا ایک مخصوص حصہ مقرر ہے جس کی خلاف ورزی کرنے کی کوئی مسلمان جرأت نہیں کرسکتا۔قرآن میں وراثت کا طریقہ کار بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

نسلی مساوات پر بہت سی اقوام یقین رکھتی ہوں گی لیکن اسلام نے اسے مذہب کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔یہ مسلمانوں کے جذبات اور نفسیات میں اس قدر جذب ہوچکی ہے کہ وہ کسی صورت بھی اس سے علیحدگی اختیار نہیں کرسکتے۔اس کے برعکس امریکہ میں موروثی طور پر لوگوں کو کالوں سے بہتر تصور کیا جاتا ہے۔جہاں تک الجزائر کا تعلق ہے تو وہاں زندگی اور موت کا کھیل ان کے لئے شروع کیا گیا ہے تاکہ اسلامی لبریشن فرنٹ کو ان کی جمہوری فتح سے محروم رکھا جاسکے۔الجزائر کے عوام غیرملکی طاقتوں کے ذریعے ان پر مسلط ہونے والی مارشل لاء حکومت کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں اور آپ جانتے ہیں محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔الجزائر کے لوگ سفید فام ہیں اور خود انہیں یورپ کا باشندہ تصور کیا جاسکتا ہے۔وہ اپنی جدوجہد کے دوران اپنے ہم وطن یا غیرملکی میں کوئی تمیز کریں یہ ضروری نہیں۔

نسلی برابری مساوات کی ایک صورت ہوسکتی ہے لیکن برابری کی دوسری تمام صورتیں بھی اس سے جنم لیتی ہیں۔اگر نسلی مساوات نہیں ہوگی تو مساوات کی کوئی اور قسم بھی موجود نہیں ہوتی۔امریکہ میں کالوں کو گوروں کے برابر سیاسی حقوق حاصل ہیں لیکن سماجی طور پر ان کے درمیان عدم مساوات پائی جاتی ہے۔نسل پرستی کا مسئلہ مغرب کے لئے سنگین صورت اختیار کرچکا ہے' یورپ میں جشن فتح کے موقع پر یہ آوازیں بلند ہورہی ہیں کہ 50 برس گزرنے کے باوجود ہٹلر کی سوچ کا خاتمہ نہیں ہوسکا۔جب میں نسلی مساوات کے اسلامی اصول پر بات کرتا ہوں تو یقین جانیے اس میں غرور شامل نہیں ہوتا۔مسلمان خود کو دوسرے مذاہب کے لوگوں سے برتر تصور نہیں کرتے۔انسانی سطح پر سبھی برابر ہیں' قرآن عیسائیوں اور یہودیوں کو اہل کتاب قرار دے کر ان کے ساتھ کھانا کھانے اور شادی کرنے کی اجازت دیتا

ہے۔عورتوں میں حضرت مریمؑ کونمایاں مقام حاصل ہے۔

میرا خیال ہے کہ آپ میری اس بات سے اتفاق کریں گے کوعورت نسبتاً کمزور واقع ہوئی ہے۔اسلام مرد پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے دائرے میں رہتے ہوئے عورت کی حفاظت کرے۔قرآن کے مطابق جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں اس طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں۔پاکستان میں خواتین ہر میدان میں سرگرم کردار ادا کررہی ہیں۔وہ استاذ،بیوروکریٹ اور سیاستدان کی حیثیت سے کام کررہی ہیں۔اس وقت پاکستان کی وزیراعظم ایک عورت ہیں۔قرآن نے خاوند اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ لندن میں بھی کوئی باعزت عورت اپنے مرد ساتھی کے بغیر ڈانسنگ ہال میں جانا پسند نہیں کرے گی۔

اگر مسلمانوں کو برطانیہ میں اسلام کی تبلیغ کرنے کی اجازت ہے تو عیسائی اور دوسرے لوگ بھی پاکستان میں ایسا کر سکتے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے عیسائیوں کی رسومات دیکھنے کے لئے انہیں اپنی مسجد میں آنے کی دعوت دی۔آئین پاکستان کے تحت مذہب کی بنیاد پر شہریوں کے ساتھ غیر مساوی سلوک نہیں کیا جاسکتا۔11 اگست 1947ء کو بانی پاکستان نے ان الفاظ میں اس کا اظہار کیا "اب آپ آزاد ہیں' آپ کو آپ کے مذہب کی عبادت گاہ میں جانے کی پوری آزادی ہے۔آپ کا تعلق کسی نسل یا مذہب سے ہو ریاست کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ہم اس بنیادی اصول سے اپنے سفر کا آغاز کررہے ہیں کہ ہم سب شہری ہیں اور سبھی شہری برابر ہوتے ہیں"۔

پاکستان میں عیسائی مبلغین کھلم کھلا اپنے مذہب کی تبلیغ کررہے ہیں اور انہوں نے شاندار گرجا گھر بھی تعمیر کرلئے ہیں۔پاکستان میں عیسائی اچھی خاصی تعداد میں رہتے ہیں' کچھ عیسائیوں کے نام ابھی تک مسلمانوں جیسے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان سے عیسائی ہوئے تھے۔پاکستان میں ذمی موجود نہیں ہیں کیونکہ تمام باشندوں کو ایک جیسے شہری حقوق حاصل ہیں۔جسٹس کارنیلیس جو کیتھولک فرقے سے تعلق رکھتے تھے وہ پاکستان کے چیف جسٹس بنے۔پاکستان میں علیحدہ حق دہی کے ذریعے اپنے نمائندے چنتے ہیں۔اگر یہی نظام بھارت میں بھی اپنایا جاتا تو بھارت کے 12 کروڑ مسلمان بھی پارلیمینٹ کی ایک قوت ہوتے۔

آپ کا یہ کہنا درست ہے کہ ریاست کے متعلق مسلمان مختلف نقطہ نظر رکھتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام روحانی اور جسمانی معاملات میں تفریق نہیں کرتا۔اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات پیش کرتا ہے جو اخلاقی پہلو کے علاوہ سماجی اور معاشی پہلوؤں کو بھی مدِ نظر رکھتا ہے۔مسلمانوں کو ان کے ایمان کے

مطابق زندگی گزارنا ہوتی ہے۔حکومت اسلامی قوانین کا نفاذ کرنے کی پابند ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مغربی پارلیمینٹ کے مقابلے میں ایک پارلیمینٹ کے مقابلے میں ایک مسلمان ملک کی آئین سازی کافی حد تک محدود ہوتی ہے۔وہ قرآن کے احکامات اور نبی کریم ﷺ کی روایات سے انحراف نہیں کر سکتے۔

آپ کا کہنا ہے کہ یورپ کی جنگی سپرٹ 1800-1600 کے درمیان ختم ہو چکی تھی اور اب سیاسی یا معاشی بنیادوں پر اسلام دشمنی نہیں پائی جاتی مجھے خوشی ہے کہ آپ نے کھلے ذہن کا ثبوت دیتے ہوئے اسلام کے ساتھ ''بنیاد پرستی'' جیسے لفظ کو شامل نہیں کیا۔اب سوال یہ ہے کہ مغرب میں بڑھتی ہوئی اسلام دشمنی کی کیا وجوہات ہیں؟ آپ کا کہنا ہے کہ اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ ''مسلمان نہ خود جیو نہ کسی کو رہنے دو'' کی پالیسی پر گامزن ہیں۔

کیا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان مغربی ممالک پر اپنی مرضی مسلط کر رہے ہیں؟ کیا آپ واقعی سنجیدگی سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمان مغرب پر دباؤ ڈالنے کے اہل ہیں؟حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔مغرب مسلم دنیا کو اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے اور وہ ایسا کر بھی سکتا ہے۔کیا مغرب والوں نے فلسطین میں مسلمانوں کی آبادی ختم کر کے وہاں اسرائیل قائم نہیں کیا؟ کیا وہ الجزائر کے عوام کو ان کی پسند کی حکومت بنانے سے محروم نہیں رکھتے؟ کیا یورپ امریکہ بوسنیا میں مسلمانوں کے انسانی اور ثقافتی قتلِ عام کو جان بوجھ کر نظر انداز نہیں کر رہے؟ کیا سفید فام روسی چیچنیا میں مسلمانوں کو اس لئے قتل نہیں کر رہے کہ وہ ماسکو سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں؟یورپی دنیا نے اسلام کا معاشی بائیکاٹ کر رکھا ہے۔کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہاں شریعت نافذ کی گئی ہے؟بی بی سی کی موغاریشوں سے رپورٹ تھی کہ جنوبی صومالیہ میں شریعت کے نفاذ سے انتہائی شاندار نتائج سامنے آئے ہیں۔مغرب کے اس دوہرے معیار کو آپ کیا کہیں گے کہ ایک طرف تو وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی مخالفت کرتا ہے لیکن دوسری طرف بھارت، اسرائیل اور جنوبی افریقہ کے ایٹمی ہتھیار وہ بالکل نظر انداز کرتا ہے۔

دنیا کی اصل صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی پشت دیوار کی طرف ہے اور وہ مغربی ثقافت اور تہذیب کو روکنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔اگر مسلمانوں کو ان کی مرضی سے زندہ رہنے دیا جائے تو اسلام اور عیسائیت میں کوئی دشمنی نہیں رہ جاتی۔پاکستان اور چین مختلف نظام ہونے کے باوجود دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لوگوں کی طرزِ زندگی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔جہاں تک رشدی کا معاملہ ہے تو دنیا کا کوئی مسلمان نبی اکرم ﷺ کی گستاخی

برداشت نہیں کرسکتا۔ہم اپنے ملک کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اس کا کوئی حل نکال سکتے ہیں ۔سعودی عرب میں اگرحقوق اس کے شہریوں تک محدود ہیں اور دوسرے ممالک کے مسلمان بھی ان حقوق سے محروم رہتے ہیں۔ مجھے اپنے الفاظ کے وزن کے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ۔لاسکی کے بقول (ideas of ruling class are the ruling ideas of society) عقل کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ طاقت کی گن سے باہر نکلتی ہے اور طاقت مسلمانوں کے پاس کہاں۔

(آپ کا مخلص ''زیڈ اے سلیری'')

جواب آں غزل بقلم مریم خنساء

معترض صاحب کا کہنا ہے:

[میرا خیال ہے کہ مساوات اور اس کے متعلق آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ صرف مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں جہاں تک نسلی مساوات کا تعلق ہے تو عیسائی اور دوسرے لوگ بھی اس نظریئے پر یقین رکھتے ہیں لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ عام طور پر اس پر عمل نہیں کرتے (یہاں میں ''الجزائر'' کے اسلام پسندوں کا ذکر کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں جو ہر غیر ملکی کو ''سفید فام'' کا نام دے کر نشانہ بناتے ہیں اس کے علاوہ مساوات کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر آپ کی نسبت زیادہ وسیع ہے۔ نسلی مساوات تو مساوات کی ایک قسم ہے لیکن مساوات کی اور بھی کئی قسمیں موجود ہیں جو اسلام میں نہیں ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ مغرب کی ہر غیر مسلم خاتون کو یہ معلوم ہے کہ اسلام اسے مرد کے برابر جگہ نہیں دیتا۔ ساتویں صدی کے عرب میں عورتوں کو دی جانے والی رعایت سے مطمئن نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی وہ اس بات سے قائل ہوسکتی ہے کہ مسلمان عورتیں اپنی حالت سے مطمئن ہیں ۔مغربی عورت یہ جانتی ہے کہ اسلام مردوں کو وہ حقوق دیتا ہے جن سے عورتیں محروم رہتی ہیں۔

یہاں برطانیہ میں ایک مسلمان کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو مجھے حاصل ہیں لیکن سعودی عرب میں ایک غیر مسلم کو وہ حقوق حاصل نہیں جو مسلمان کو حاصل ہیں۔ ہمارے ملک میں مسلمان کسی رکاوٹ کے بغیر تبلیغ کر سکتے ہیں لیکن آپ کے سعودی عرب میں عیسائیوں سمیت

کسی کو بھی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں۔

اگر آپ برطانیہ میں اسلام کی سچائیوں کو پھیلانا چاہتے ہیں تو یہ آپ کا حق ہے۔ آپ ایجنٹ پارک کے کونے میں ایک شاندار مسجد تعمیر کر سکتے ہیں جب کہ مسلم ممالک میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو کبھی بھی یہ حق نہیں دیا جاتا۔

اگر میں مسلمان ہونا چاہوں تو یہ میرا حق ہے لیکن اگر کسی مسلم ملک کا باشندہ ہوتے ہوئے میں عیسائیت اختیار کرنا چاہوں تو اس کا مجھے کوئی حق نہیں۔

اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ مسلمان مختلف نظریہ رکھتے ہیں، اگر آپ اس نظریئے کو سنجیدگی سے لیتے ہیں تو پھر نتیجے کے طور پر ریاست کے متعلق بھی آپ کا نظریہ بدل جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں نظر آ رہا ہے کہ آپ مسلمان لوگ ہمارے متعلق عدم برداشت کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ ہمیں ''ذمی'' قرار دے کر یہ اجازت دیتے ہیں کہ ہم اپنے گھر میں جو چاہیں کریں لیکن کیا یہ کمتری کی صورتحال نہیں ہے۔

یہ بات درست ہے کہ ماضی میں مسلم ریاستوں میں غیر مسلموں کے ساتھ عیسائی ریاستوں میں غیر عیسائیوں کی نسبت اچھا سلوک ہوتا رہا ہے لیکن محض ماضی کی مثالوں سے دل نہیں بہلایا جاسکتا۔ ہم لوگ ماضی کی ان رسموں کو کافی حد تک بھلا چکے ہیں]

مندرجہ بالا اعتراضات کا جائزہ لینے سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں

(۱) اسلام میں مساوات کا تصور محدود یعنی صرف مسلمانوں کے لئے محدود ہے۔

(۲) مغربی تصورِ مساوات اسلام کی نسبت زیادہ وسیع ہے۔

(۳) سعودی عرب میں غیر مسلموں کو مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل نہیں۔

(۴) برطانیہ میں مسلمان اسلام کی تبلیغ کر سکتے ہیں لیکن اسلامی ممالک میں عیسائی ایسا نہیں کر سکتے۔

(۵) اسلام کا قانون ارتداد صحیح نہیں۔

مساواتِ مرد و زن کے متعلق اسلامی نظریئے پر اعتراض چونکہ ایک علیحدہ موضوع ہے

لہٰذا اس کا جائزہ بعد میں لیا جائے گا۔معترض کے اعتراض کے مزید نکات یہ ہیں:

(٦) مسلمان اپنے مذہب یا نظریئے کو سنجیدگی سے لیتے ہیں۔لہٰذا ان کا تصورِ ریاست بھی دوسرے لوگوں سے مختلف ہو جاتا ہے،مسلمان غیر مسلموں کو ذمی قرار دے کر انہیں صرف اپنے گھروں میں رہ کر ہی اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی کی اجازت دیتے ہیں۔

(٧) مسلمان غیر مسلموں کے متعلق عدم برداشت کی پالیسی پر گامزن ہیں۔

(٨) ماضی میں مسلمان ریاستوں میں غیر مسلموں کے ساتھ عیسائی ریاستوں میں غیر عیسائیوں کی نسبت جو اچھا سلوک ہوتا رہا ہے،اسے بطور حجت نہیں پیش کیا جا سکتا کیونکہ ماضی کی مثالوں سے دل بہلانا ناممکن نہیں۔

معترض کا بنیادی اعتراض اسلام میں مسلم و غیر مسلم کے حقوق کے متعلق عدم مساوات پر ہے،ان کے خیال میں مغرب میں مساوات کا وسیع نظریہ رائج ہے جب کہ اسلام میں ایسا نہیں،اسلام غیر مسلموں کو مسلمانوں کے برابر حقوق نہیں دیتا۔آیئے دیکھیں کہ حقوق کے سلسلے میں اسلام کا قاعدہ کیا ہے۔

اسلام میں حقوق کی دو بڑی قسمیں ہیں:

① حقوق اللہ ② حقوق العباد

یہ ایک حقیقت ہے کہ مغربی معاشرے میں ''حقوق اللہ'' کا واضح تصور مفقود ہے۔ مخصوص مواقع پر چرچ میں حاضری دینا اور مذہبی رسومات کی ادائیگی وغیرہ ہی ''حقوق اللہ'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلام میں ''حقوق اللہ''مسلمان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہوتے ہیں۔''حقوق العباد'' بھی دراصل حقوق اللہ ہی کا ایک جز ہیں۔یہاں ہمارا بنیادی موضوع ''حقوق العباد''،خصوصاً اس ضمن میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق کا جائزہ

لینا ہے۔لہٰذا تفصیل سے حقوق العباد ہی بیان کئے جائیں گے اور مغربی معاشرے کے حوالے سے ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

''حقوق العباد'' یا حقِ انسانیت کے اہم شعبے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) زندہ رہنے کا حق RIGHT OF LIFE

اسلام انسانی زندگی کے تحفظ کا سب سے بڑا ضامن ہے۔اسلامی نقطۂ نظر سے ہماری زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے لہٰذا ہم اس کی مرضی کے بغیر اپنے نفس سے کوئی کام لینے کے مجاز نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام میں زندگی کے لئے مہلک اور مضر اثرات کی حامل اشیاء مثلاً ''مسکرات'' وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا۔

یاد رہے کہ اس حقِ زندگی میں صرف مسلمان ہی نہیں، غیر مسلم بھی یکساں شامل ہیں۔ قرآن مجید کی سورت مائدہ میں ارشاد ربانی ہے:۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔(المائدہ:۳۲)

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچالی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی''۔

اس فرمانِ الٰہی میں مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ۔یہی وجہ ہے کہ کسی ذمی یا غیر مسلم کو اگر کوئی مسلمان قتل کر دے تو قاتل کی جان مسلمان ہونے کی وجہ سے بچ نہیں جائے گی بلکہ وہ بھی بدلے میں قتل ہی کیا جائے گا۔

غیر مسلموں کے متعلق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ''جس نے

کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا حالانکہ وہ خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی محسوس ہوگی۔ ذمی غیر مسلم کی دیت اور خون بہا بھی مسلمان ہی کی مانند ادا کیا جائے گا۔ (نیل الاوطار، جلد ۷، صفحہ ۸)

کیا ہم معترض صاحب سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ آیا ان کے قانون میں بھی ان کے مذہب سے تعلق نہ رکھنے والوں کے لئے ایسے احکامات موجود ہیں؟

صرف یہی نہیں کہ اسلام دوسرے انسان ہی کا حقِ زندگی سلب کرنے والے کو سزا دیتا ہے بلکہ وہ تو اپنا حقِ زندگی سلب کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔ لٰہذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔(البقرہ:۱۹۵)

''اپنی جانوں کو قتل مت کرو۔''

مزید ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''تمہارے نفسوں کا تم پر حق ہے تمہارے جسموں کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔'' (بخاری)

رہبانیت بھی انسان سے اس کا حقِ زندگی چھین لینے کے مترادف ہے، لٰہذا "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ" (اسلام میں رہبانیت نہیں کا اعلان فرما دیا گیا۔)

اس کے برعکس عیسائی راہب کس طرح اپنے حقِ زندگی سے حظ اٹھانے سے محروم ہو جاتے تھے۔ اس کی بھی چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمالیجئے۔

سکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر ۸۰ پونڈ وزن اٹھائے رکھتا۔ ۶ مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا، جہاں زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ سینٹ ''یاخومیوس'' نے ۱۵ سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال زمیں پر پیٹھ نہیں لگائی۔

سیمیون اسٹائلائٹ (۳۹۰ء، ۴۴۹ء) جو اولیاء کبار میں شامل ہے اس نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا یہاں تک کہ رسی اس کے گوشت میں پیوست ہوگئی، گوشت سڑ گیا، اس میں کیڑے پڑ گئے۔

سعودی عرب میں کیونکہ اسلامی قوانین کا نفاذ ہے لہٰذا معترض فوراً ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ تو کر دیتے ہیں لیکن ذرا اپنے گریبان میں بھی تو جھانک کر دیکھیں، ان کے ایک مغربی ملک میں ہر سال صرف گولی لگنے سے قتل ہونے والے افراد کی تعداد بھی سعودیہ میں اسلامی قوانین کے نفاذ سے لے کر آج تک قتل ہونے والوں کی مجموعی تعداد سے کئی گنا زیادہ ہے۔

روزنامہ نوائے وقت، ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ کی خبر کے مطابق امریکہ میں ہر برس گولیوں سے قتل کئے جانے والے ہزاروں افراد کے اعداد و شمار بتانے کے لئے نیو یارک کے ٹائمز سکوائر کے قریب بدھ کے روز ایک بڑا ڈیجیٹل کاؤنٹر نصب کر دیا گیا ہے۔ یہ ڈیتھ کلارک یکم جنوری سے ان تمام اموات کی گنتی کرے گا جن کی اطلاع وفاقی اداروں کی جانب سے فراہم کی جائے گی۔ اس کے نصب کرنے والے رابرٹ برنین نے بتایا ہے کہ گزشتہ سال امریکہ میں کم از کم پندرہ ہزار افراد کو گولی مار کر قتل کر دیا گیا جب کہ ۶۵ ہزار زخمی ہوئے۔ اس کا کہنا ہے کہ امریکہ میں سالانہ ۳۷ ہزار افراد کو گولی مار کر قتل کیا جاتا ہے۔"

گویا: "دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو"

حقِ آزادی: RIGHT OF FREADOM

آزادی کے بغیر غالباً زندگی کا حق بے معنیٰ ہوگا چنانچہ ایک اسلامی مملکت بھی اپنے شہریوں کو آزادی مہیا کرنے کی ذمہ دار ہے لہٰذا کوئی طاقتور مسلمان یا غیر مسلم کسی بھی کمزور مسلمان یا غیر مسلم کو غلام نہیں بنا سکتا اور نہ بیگار لے سکتا ہے۔

حقِ مال و جائیداد:

اس حق کے بغیر فرد اپنی شخصیت کی مناسب تعمیر کر ہی نہیں سکتا اور نہ ہی اپنی آزادی کا پورا پورا لطف اٹھا سکتا ہے۔ انسانی فطرت میں یہ عنصر موجود ہے کہ وہ بعض چیزوں کو "میری کہنا چاہتا ہے" فرد کی آزادی کے تحفظ کے لئے قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ؏ (الاعراف: ۱۰)

"ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لئے زمین میں سامانِ زیست فراہم کیا"۔

اسلام نے ذمیوں کے مال واملاک کی پوری پوری ضمانت دی، ان کی کوئی چیز بغیر پورا معاوضہ ادا کئے نہیں لی جا سکتی، نبی اکرم ﷺ نے غزوہ حنین میں ایک کافر صفوان بن امیہ سے زرہیں لیں تو اس نے کہا "اے محمد ﷺ! کیا بلا معاوضہ لینے کا ارادہ ہے"؟

"آپؐ نے جواب دیا "نہیں یہ مستعار ہیں جو ضائع ہو گئیں، ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔"

ذمیوں کے ساتھ معاہدے میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ اگر کسی وقت ذمیوں کو مخصوص حالات کے پیشِ نظر رہائش تبدیل کرنے کو کہا جائے گا تو ہر چیز کا دگنا معاوضہ ادا کیا جائے گا۔ (کتاب الخراج، امام ابو یوسف)

اہلِ ذمہ کی زمین بھی مسلمان نہیں خرید سکتے، وہ اپنے ہم مذہبوں میں ہی اپنی زمین بیچیں گے، ذمیوں کے پہننے کے کپڑے، گھر کے برتن، خوراک اور غلہ، آلاتِ زراعت اور بیل وغیرہ قرق نہیں ادا کئے جا سکتے، مزید برآں یہ کہ اہلِ ذمہ سے لیا جانے والا ٹیکس یعنی

جزیہ صرف زراعت وغیرہ قسم کی ملکیت پر عائد ہوتا ہے زیور اور سونے پر نہیں۔

یاد رہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ ،زیورات،نقدی،سونا،چاندی،زمین کی پیداوار اور پالتو جانوروں یعنی اونٹ،گائے،بکری،وغیرہ پر بھی عائد ہوتی ہے۔

کام اور پیشے کا حق:

لاسکی کا کہنا ہے کہ'' معاشرے میں کوئی شخص بھی پسینہ بہائے بغیر معقول طریقے سے نہیں رہ سکتا'' زندگی کی ضروریات کے لیے اگرچہ ہر شخص نے کام کرنا ہوتا ہے مگر ہر شخص کا رجحانِ طبع مختلف ہوتا ہے اور اسی کے مطابق وہ اپنے پیشے کا انتخاب کرتا ہے۔ اگر پیشے کے انتخاب میں فرد کو آزادی نہ ہوگی تو ایک تو فرد کو ذہنی اور مالی طور پر نقصان پہنچے گا ،فرد کی شخصیت کی صحیح نشوونما نہ ہو سکے گی۔ دوسرے خود معاشرہ اس کی اعلیٰ صلاحیتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ یہ حق بھی اسلام ہر غیر مسلم کو یکساں طور پر دیتا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی وہ انسانیت کے تمام پہلوؤں پر محیط جامع نظامِ حیات کا حامل ہے لہٰذا پیشوں کے ایسے پہلوؤں کی ،جن سے کسی کے حقِ ناموس وعزت اور آزادی وغیرہ کے سلب ہونے کا خطرہ ہو یا بے راہ روی کو راہ ملتی ہو،حوصلہ شکنی کرتا ہے،مثلاً شراب انسانی عقل کو مدہوش کر کے کسی انسان کے حقِ ناموس یا حقِ زندگی وغیرہ کو سلب کرنے کا سبب بن سکتی ہے لہٰذا اس کا کاروبار حرام قرار دیا گیا۔

البتہ کچھ بے ضرر پیشے جیسے سور چرانا، بیچنا یا انہیں کھانا ......ایسے کام غیر مسلم اپنی بستیوں کے اندر رہتے ہوئے کر سکتے ہیں۔اگر کوئی ان کی املاک کو نقصان پہنچائے تو خواہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اسے ہرجانہ دینا پڑے گا۔

اس کے برعکس ذرا مغربی معاشرے کی طرف نگاہ دوڑائیے''جہاں پی ایچ ڈی کی حامل مسلمان خاتون کو ملازمت کے پہلے دن ڈیوٹی دینے کی اجازت صرف اس لئے نہ ملی کہ وہ

پابندِ حجاب تھیں۔امریکہ ہی کی ایک اوراعلیٰ تعلیم یافتہ نومسلم خاتون ''محترمہ آمدیہ صاحبہ'' کو بھی قبول اسلام کے بعد ایسے ہی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

حقِ انجمن سازی اوراجتماع:

انسان ایک دوسرے سے میل جول رکھنا پسند کرتا ہے، چنانچہ وہ ایسے لوگوں سے میل جول رکھتا ہے جن سے اسے تعلقِ خاطر ہو، وہ اپنی مختلف ضروریات پوری کرنے کے لئے معاشرے میں بھی مختلف چھوٹی چھوٹی مجلسیں اوراجتماعات قائم کرلیتا ہے، یہ انجمنیں صرف فرد کی ترقی ہی کے لئے ضروری نہیں بلکہ خود سلطنت بھی اس کی محتاج ہے کیونکہ معاشرے میں کئی ایک مفید کام ان کی وساطت سے انجام پاتے ہیں۔اسلام نے بھی یہ حق تمام لوگوں کو دیا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''تم میں کچھ لوگ تو ضرور رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں، جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے، کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ سخت سزا پائیں گے''۔

مندرجہ بالا آیات کے مطابق اور حقوق کے دوسرے پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ یہ انجمنیں لوگوں کے حقوق کو غصب کرنے، برائیوں کی نمو کرنے یا امنِ عامہ میں فساد پیدا کرنے کی ذمہ دار نہ ہوں ورنہ ایسی انجمنوں پر پابندی لگانا ضروری سمجھا جائے گا۔

حق انجمن سازی اوراجتماع میں مسلم وغیر مسلم دونوں اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے یکساں طور پر شامل ہیں۔

① ۔خلفائے راشدینؓ کے دورِ حکومت میں غیر مسلموں کو اپنی بستیوں کے اندر رہتے ہوئے

اپنے مراسمِ عبودیت بجالانے اور اجتماع کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ ''اسٹیفن جونز'' کا یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ [مسلمان ہمارے متعلق عدم برداشت کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ہمیں ذمی قرار دے کر یہ اجازت دیتے ہیں کہ ہم اپنے گھروں میں جو جی چاہے کریں لیکن کیا یہ کمتری کی صورت حال نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ماضی میں مسلم ریاستوں میں غیر مسلموں کے ساتھ عیسائی ریاستوں میں غیر عیسائیوں کی نسبت اچھا سلوک ہوتا رہا ہے لیکن ماضی کی ان رسموں کو ہم کافی حد تک بھلا چکے ہیں، محض ماضی کی مثالوں سے دل نہیں بہلایا جا سکتا'' ......]

معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر اسٹیفن نہ تو اسلامی تعلیمات واحکام سے واقف ہیں اور نہ ہی اسلامی تاریخ کے متعلق کچھ جانتے ہیں ورنہ وہ ایسا کبھی نہ کہتے، کیوں کہ اسلامی دورِ حکومت میں ذمیوں کی باقاعدہ علیحدہ بستیاں بنادی جاتی ہیں، جہاں رہتے ہوئے وہ سب کچھ کر سکتے ہیں، دیکھا جائے تو اس میں بھی ایک بہت بڑی مصلحت اور ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین سورۃ الکافرون) کے اصول پر عمل کی ایک مثال ہے۔یقیناً اس طریقے پر عمل کرنے سے مسلمان اپنی تہذیب وتمدن کی حفاظت بخوبی کر سکتے ہیں اور غیر مسلم اپنے دین کی۔

۲۔حقِ خاندان: RIGHT OF FAMILY LIFE

خاندان کے بغیر انسان کا تصور محال ہے، اس لئے ہر شخص کو یہ حق ملنا چاہئے تاکہ وہ خاندانی زندگی بسر سکے، اس کے بغیر انسانی شخصیت کی تکمیل ہی نہیں ہوسکتی، اسلام میں غیر مسلموں کو ان کے خاندانی حقوق مکمل وسعتِ نظری کے ساتھ دیئے گئے۔ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے حسنؒ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ مجوسی اپنی لڑکیوں اور سوتیلی ماؤں سے نکاح کرنے کے معاملے میں ہمارے پیش روخلفاء نے کوئی مداخلت نہیں کی۔انہوں نے جواب دیا'' آپ کو بہر حال انہیں کی پیروی کرنا چاہیئے کوئی نئی بات نہیں نکالنی چاہیئے''۔

اسلامی قوانین اور غیر مسلم قوانین ومعاشرت کے موازنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے

کہ اسلام حقِ خاندان نہ کسی مسلمان سے سلب کرتا ہے، نہ کسی غیر مسلم سے، نہ کسی امیر، سے نہ غریب سے، نہ کسی عالم سے، نہ کسی جاہل سے، لیکن مغربی معاشرے میں پادریوں اور ننوں کو حقِ خاندان حاصل نہیں ۔ نہ جانے اہلِ مغرب کی وسعتِ نظری جس کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے وہ تھکتے نہیں وہ اس معاملے میں کہاں کھوگئی

③۔حقِ تعلیم:

تعلیم کی اہمیت کسی بھی معاشرے میں محتاجِ تعارف نہیں، معاشرے کی زندگی کے تمام شعبوں کی ترقی کا انحصار صرف اور صرف تعلیم پر ہے۔ اسلام میں حقِ تعلیم سب کو یکساں طور پر حاصل ہے، ہر کوئی اپنے اپنے مذہب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر قسم کی تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔

مغرب اور اہلِ مغرب کی وسعتِ نظری کا دعوی بجا! لیکن ابھی حال ہی میں فرانس کی دولڑکیوں کو صرف اس جرم میں سکول آنے سے منع کر دیا گیا کہ وہ اسلامی تعلیمات کی تکمیل میں سر پر سکارف اوڑھ کر آتی ہیں۔

اخبارات کے مطابق اس سے پہلے بھی فرانس میں ایسے متعدد واقعات ہو چکے ہیں۔ اسلام میں تو بقول آپ کے نظریہ مساوات میں وسعت ہے ہی نہیں لیکن کیا مساوات کا مفہوم یہی ہے کہ مسلم وغیر مسلم طلباء میں فرق رکھا جائے جب کہ مسلم معاشرے میں ذمیوں کے حقِ تعلیم کو با قاعدہ طور پر تسلیم کیا گیا اور ان کے حصولِ تعلیم میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی گئی۔

④۔حقِ ناموس، عزت اور شہرت:

عزت، شہرت، اور وقار کی زندگی بسر کرنا ہر شخص کا حق ہے اور حکومت کو عوام کے دیگر حقوق کی طرح اس حق کی حفاظت بھی کرنا چاہیے، اس لئے کہ انسان اسی وقت تک آزادی

برقرار رکھ سکتا ہے جب تک اس کی عزت اور وقار قائم ہو، اسلام نے فرد کی عزت کو بحیثیت انسان بے حد اہمیت دی اور فرمایا:۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (الاسراء: ۷۰)

''ہم نے بنی آدم کو عزت عطا فرمائی۔''

یاد رہے کہ بنی آدم میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں، اسلام میں یکساں حقِ ناموس و عزت کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سورۃ حجرات میں جہاں کسی کی تحقیر کرنے اور تمسخر کرنے سے باز رہنے کا حکم دیا گیا، وہاں نہ تو مسلم و غیر مسلم کی تخصیص ہے نہ مرد و عورت کی بلکہ عورت کو ایک مستقل حیثیت دیتے ہوئے علیحدہ اس حق کی حفاظت کا حکم دیا گیا اور دوسرے کے اس حق کو غصب کرنے سے منع کیا گیا۔

اسی نص کی بناء پر ائمہ غیر مسلموں کی غیبت کو بھی جائز نہیں جانتے۔

سعودی عرب پر اسٹیفن صاحب کا اعتراض بجا لیکن شاید وہ یہ نہیں جانتے کہ اسلام کے انہی زریں اصولوں کے نفاذ کی بدولت کوئی مسلمان تو کجا کسی غیر مسلم کو بھی عمومی بول چال میں بھی حرامی یا اس قسم کے کسی دوسرے نام سے نہیں پکارا جا سکتا، اس پر بھی حدِ قذف یعنی بہتان لگانے کی حد اسی کوڑے جاری ہو جاتی ہے۔

انسان کی عزت و وقار کا ایک طرف تو اتنا احترام اور دوسری طرف مساوات کے علمبردار مغربی معاشرے کو دیکھئے جو مسلم و غیر مسلم میں مکمل مساوات کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے ہاں ملکہ یا جج کی شان میں گستاخی تو گستاخی ہے لیکن لندن کے ہائیڈ پارک یا اور کسی بھی جگہ پر جہاں آپ کا جی چاہے دوسروں کی عزت و وقار پر حملہ کرتے رہیئے کوئی آپ کو پوچھنے والا نہیں۔

اسلام میں تمام انبیاء قابلِ احترام ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تفریق نہ کرنے کا حکم

دیا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی حقیقی مسلمان کسی بھی نبی یا رسول کی شان میں گستاخی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا،خواہ وہ موسیٰ علیہ السلام ہوں،عیسیٰ علیہ السلام،تمام انبیاء ہی معصوم اور دنیا کے دیگر تمام انسانوں سے افضل ہیں۔اس کے برعکس دیگر مذاہب کے متبعین اسلام اور شارعِ اسلام کی ناموسِ رسالت پرتابڑتوڑ حملے کرتے رہتے ہیں۔

مغربی معاشرہ ''وسیع نظریہ مساوات'' کا حامل ہے نا؟لہٰذا ان کے ہاں ملکہ کو تو قانونی طور پر معصوم قرار دیا گیا ہے،اس کی کسی غلطی کی باز پرس کرنا نا قابلِ معافی جرم ہے۔جج اور عدالت کا بھی ایک وقار ہے کہ گھر میں بیٹھے ہوئے جج کو بھی کچھ کہہ دیا تو توہینِ عدالت کا مقدمہ بن جائے گا لیکن دنیا کی ان سب عظیم ہستیوں کی عزت و ناموس کے تحفظ کی کوئی ضمانت ہی نہیں بلکہ توہینِ رسالت کے مجرم تمام دنیا سے اکٹھے کرکے انہیں اپنے ہاں پناہ دی جاتی ہے۔

اسلام میں تو انسان کی پرائیویسی اور نجی زندگی کے تحفظ کے لئے بھی بے شمار احکام ہیں مثلاً دسروں کے گھروں میں اجازت لے کر جانے کا حکم دیا گیا اور اپنے گھروں میں جھانکنے والوں کی آنکھ تک پھوڑ دینے کی اجازت دی گئی۔اسلام کے یہ قانون حکومت کے تمام باشندوں کے لئے بلاتخصیص مسلم وغیر مسلم ہیں لیکن کیا مغرب میں مسلمانوں کو تو چھوڑ یئے غیر مسلموں کے ہی اس حق کے تحفظ کے لئے کوئی ایسا واضح قانون موجود ہے یا اُس حق کے تحفظ کے لیے عملی طور پر ہی کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے۔

⑤۔حقِ اظہارِ خیال اور تنقید:

یہ سیاسی حق بھی ہے اور معاشرتی حق بھی،حقِ اظہارِ خیال سے مراد آزادی تحریر و تقریر ہے۔ہر شخص کو بجا طور پر یہ حق ہونا چاہیے کہ معاشرتی اور اجتماعی امور پر کھل کر رائے زنی کر سکے۔معاشرہ افراد سے بنا ہے اور فرد ہی کو اس میں صحت مندانہ روایات و اقدار

پیدا کرنا ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اس کی اصلاح میں حصہ لے سکے۔ یہ حق مسلم و غیر مسلم دونوں کو یکساں طور پر حاصل ہے۔

قوانین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) انسان کے خودساختہ قوانین (۲) اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین۔

اول الذکر میں قوانین قانون سازی کرتے ہوئے کسی پہلو کا ذہن و نگاہ سے اوجھل ہو جانا ممکن ہے لیکن ثانی الذکر میں تمام پہلوؤں کا مکمل طور پر احاطہ ہے۔ آزادیِ اظہار، اظہارِ خیال اور تحریر کے مغربی مفکرین بہت مداح ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس حق کو بالکل ہی بے لگام چھوڑ دینے سے انسان کا حقِ ناموس، عزت اور وقار خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

اسلام ایسی تنقید اور اظہارِ خیال کا حامی ہے جو مثبت ہو منفی نہ ہو، مدلل ہو غیر مدلل نہ ہو، اس سے کسی کے جذبات اور احساسات مجروح نہ ہوتے ہوں، بات مغرب کی ہو رہی ہے لہٰذا مثال بھی مغرب کی دی جائے گی کہ مغرب کے لوگ بھی قولی طور پر اس کے مداح ہونے کے باوجود عملی طور پر اس کے حامی نہیں۔

اس قانون کی حقیقت ذرا ان لوگوں کے احساسات سے دریافت فرمایئے جن کے جھوٹے سچے سکینڈل آئے دن اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ ایسی کئی مثالوں میں سے ملکہِ برطانیہ کی صرف ایک مثال ہی کافی ہے۔

''روزنامہ پاکستان'' ۲۱ اگست ۱۹۹۲ء کی ایک خبر کے مطابق برطانیہ میں ملکہ ''الزبتھ'' نے ایک اخبار ''ڈیلی مرر'' میں اپنی بہو ''ڈچز آف یارک'' کی بعض تصاویر پر سخت اعتراض کیا ہے۔ بی بی سی نے محل سے جاری ہونے والے بیان کے حوالے سے کہا کہ ملکہ نے کہا ہے کہ ہم اس قسم کے حالات میں اتاری جانے والی تصاویر کی اشاعت سختی سے ناپسند

کرتے ہیں۔

⑥۔مذہب اور ضمیر کا حق:

مذہب اور ضمیر کی آزادی، انفرادی اور شخصی آزادی کا حصہ ہے، ہر فرد اپنا ایک مذہب رکھتا ہے اور اس پر آزادی سے کار بند رہنا چاہتا ہے۔ مذہبی شعائر کی ادائیگی میں کسی چیز کی رکاوٹ نہ بننے کی خواہش رکھتا ہے چنانچہ اسلامی مملکت کا فرض ہے کہ افراد کے اس حق کی پوری پوری حفاظت کرے۔

اسلام ایک مثالی نظریہ حیات ہے جو دنیا کے دیگر مذاہب کے برعکس مکمل طور پر قابلِ عمل ہے، اس کے احکامات فطرتِ انسانی سے مطابقت رکھتے ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ دنیا کا سب سے زیادہ منظم مذہب بھی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام میں ''جبر'' نہیں۔ اسلام کسی کو مسلمان کرنے کے لئے جبر سے کام نہیں لیتا۔لہٰذا قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

﴿ لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾(البقرہ:٢٥٦)

''دین میں جبر نہیں''۔

''آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ان پر داروغہ نہیں۔تاریخ اسلامی کی پندرہ سو صدیاں اس بات کی گواہ ہیں کہ مسلمانوں نے کہیں بھی غیر مسلموں کو مسلمان کرنے کرنے لئے ان پر ''جبر'' نہیں کیا۔قانونِ جہاد میں بھی صرف انہی لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو بغاوت کریں یعنی جزیہ نہ دیں۔قوانینِ مملکت کی خلاف ورزی یا بغاوت کرنے والوں کی سرکوبی کرنا ہر مملکت کا حق ہے۔ جب برطانوی انگریز سات سمندر پار کر کے ،ہندوستان پر قبضہ کرنے کے جرم کے مرتکب ہو کر اپنی اطاعت تسلیم نہ کرنے والوں کو باغی اور ان کی جدوجہدِ آزادی کو بغاوت کا نام دے سکتے ہیں۔ایسی بغاوت کا ثبوت تو دنیا کے کسی قانون میں بھی نہیں ملتا کہ غاصب سے حق مانگنا بغاوت کہلائے تو مسلمان اگر اپنے

حقیقی باغیوں سے جہاد کریں تو انہیں موردِ الزام کیوں ٹھہرایا جائے؟

اسلام کا قانونِ ارتداد جس پر معترض نے اعتراض کیا ہے، دراصل اسلام کے ایک باضابطہ دین ہونے کی دلیل ہے جس کے قوانین کوئی کھیل کود یا تماشا نہیں کہ جب جی چاہا ان کی خلاف ورزی کر لی بلکہ یہ ایک منظم اور باضابطہ دین ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دی جائے گی۔ یہودیوں کی تنظیم فری میسنز کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں شمولیت کے بعد اگر کوئی ان کی جماعت سے خارج ہونا چاہے تو اسے انتہائی اذیت ناک طریقے سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ ایک دہشت گرد تنظیم کے قانون کا تو کبھی ذکر ہی نہیں کیا جاتا اور اسلام جیسے پُر امن مذہب پر اعتراضات کا طومار باندھ دیا جاتا ہے۔

یہ بھی ایک طرح کی حقِ مذہب اور حقِ زندگی کے تحفظ ہی کی ایک مثال ہے کہ جزیہ دینے والے ذمیوں کی جان و مال کی محافظ اور ذمہ دار حکومت ہوتی ہے۔ چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب مسلمان حمص کو چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہوئے تو امین الامت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے سارا جزیہ حمص کے ہی تمام عیسائی باشندوں میں تقسیم کر دیا کہ جزیہ جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری کے طور پر لیا جاتا ہے، اب شاید ہم تمہاری حفاظت نہ کر سکیں لہٰذا جزیہ واپس کر رہے ہیں۔

مزید برآں یہ کہ مسلمان اہلِ ذمہ کو اپنی فوج میں بھرتی نہیں کر سکتے۔ یوں وہ اپنے ہم مذہبوں سے لڑائی کرنے پر مجبور نہیں ہوتے لیکن دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں نے میدانِ جنگ میں اپنی مسلمان رعایا کو جبراً فوج میں بھرتی کر کے ان کے اپنے ہی ہم مذہب مسلمان بھائیوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔

⑦۔ حفاظتِ زبان وتمدن:

ہر شہری کو پورا حق حاصل ہوتا ہے کہ اپنی تہذیب وتمدن وغیرہ کی حفاظت کی ضمانت حکومت سے طلب کرے مگر حکومت کسی ایسے تمدن یا رسم ورواج کو برقرار نہیں رہنے دے سکتی جو حکومت یا شہریوں کے عام رواج کے خلاف ہو یا جو شہریوں کے دیگر حقوق غصب کرنے کے مترادف ہو مثلاً ''رسم ستی'' انسان کا حقِ زندگی سلب کرنے کے مترادف تھی لہٰذا اسے ختم کر دیا گیا۔

اسلام غیر مسلموں کی تہذیب وتمدن کی حفاظت کی مکمل طور پر ضمانت دیتا ہے، اسی مقصد کے لئے اسلام نے غیر مسلموں کی بستیاں مسلمانوں کی بستیوں سے الگ بنانے کو رواج دیا، یقیناً یہ بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی تہذیب کے تحفظ ہی کا ایک ذریعہ تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام پہنچے تو مجوسیوں نے اپنی روایات کے مطابق ان کا استقبال کیا لیکن آپ نے انہیں کچھ نہیں کہا، عیسائیوں کو اپنی بستیوں کے اندر (نہ کہ گھروں کے اندر جیسا کہ اسٹیفن صاحب کا کہنا ہے) صلیب نکالنے، ناقوس بجانے کی مکمل آزادی تھی بشرطیکہ اس سے دیگر شہریوں کی آزادی سلب نہ ہوتی ہو۔

اسلام نے تو غیر مسلموں کی تہذیب وتمدن کی حفاظت کے لئے اتنا کچھ کیا لیکن برطانوی انگریزوں نے یہاں آتے ہی انگریزی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا۔ اس کے برعکس مسلمان مصر اور دیگر علاقوں میں گئے تو یوں عربی زبان کا نفاذ نہیں کیا بلکہ اسلامی روایات وتمدن سے متاثر ہو کر وہاں کے باشندوں نے خود ہی اختیار کر لی۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں عیسائیوں اور یہودیوں کے کتب خانے بند نہیں کئے لیکن برطانوی انگریزوں نے یہاں آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کے علوم کو

ناکارہ قرار دیتے ہوئے اسلامی مدارس کی سرکاری سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیا، اوقاف کا سلسلہ بند کر کے مسلمانوں کو مصنوعی معاشی قحط میں مبتلا کر دیا۔ اس کے برعکس غیر مسلم ان کی آنکھ کا تارا بنے رہے۔ نہ جانے یہ مساوات کا کون سا مفہوم ہے؟ برطانیہ میں تو آج بھی اس عدم مساوات کا مظہر برٹش میوزم موجود ہے جس میں دیگر مذاہب کے آثار کے برعکس اسلامی آثار کا ایک بالکل ہی مختصر سا گوشہ ہے۔

(''گوروں کے دیس میں'' عطاء الحق قاسمی، نوائے وقت میگزین، یکم دسمبر ۱۹۸۹ء)

مسلمانوں کے دین میں تو غیر مسلموں کے تمدن کا تحفظ یہاں تک ہے کہ ان کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی ان کی کتابِ شریعت ہی کے مطابق کرنے کا حکم ہے، اس کے برعکس برطانیہ میں مسلمانوں کے تمدن کے تحفظ کا کہاں تک خیال رکھا جاتا ہے، اس کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

یہ بات کسی بھی جاننے والے سے مخفی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے ذبیحہ کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر مغربی نطقہ نظر سے قطعاً مختلف ہے، مغرب میں جانوروں کو جھٹکے سے یا بے ہوش کر کے ذبح کیا جاتا ہے، کیا اسٹیفن جونز صاحب جیسے مساوات کے علمبردار یہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو حلال طریقے سے ذبح کرنے کی اجازت ''لندن'' میں کب ملی؟ ۱۹۶۰ء میں جب کہ اس سے کئی سال پہلے سے یہودیوں کو حلال طریقے سے جانور ذبح کرنے کا حق حاصل ہے یعنی اتنے عرصے سے مسلمان یہودیوں کا ذبیحہ ہی کھانے پر مجبور رہے، کیا یہ چیز حقِ معاش اور حفاظتِ تمدن وتہذیب کے حق کے سلب کرنے کے مترادف نہیں۔

⑧۔ حقِ مساوات:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ سلطنت میں نسل، زبان، رنگ، ذات وغیرہ کی بناء پر مختلف گروہوں اور طبقات میں امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے، ہر شخص انسان ہے اور قانونی

طور پر اس سے بحیثیت انسان ہی سلوک کیا جائے ۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں عوام میں طبقاتی تقسیم تھی اور اس کی بناء پر بڑے لوگوں کے لئے قانون مختلف تھا، ان کے لئے بے شمار رعائتیں تھیں جن کا مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتے تھے مگر اب جمہوریت نے تمام لوگوں کو ایک سی حیثیت دے دی ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں رہا۔

''اسٹیفن جونز'' بھی حقِ مساوات کے بڑے حامی نظر آتے ہیں، اس کے ساتھ ہی ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ انگریز قیامِ پاکستان کے مخالف نہیں تھے لیکن اسٹیفن جونز صاحب اپنی قوم کی وکالت کرنے سے قبل ان کے ''کرتوتوں'' سے پوری طرح واقفیت تو حاصل کر لیتے۔ برطانوی انگریز جیسی ''مہذب'' اور ''جمہوریت نواز'' قوم نے بھی اپنی ''مساوات'' کے نظریے پر عمل کا ثبوت دیتے ہوئے برطانوی ہند میں ریل گاڑیوں میں انگریز یورپین اور اینگلو انڈین لوگوں کے لئے علیحدہ ڈبے مخصوص کر رکھے تھے۔

یہ تو برطانیہ کے مہذب لوگوں کے روشن کارنامے ہیں۔ ہمارا دین تو ان کے خیال میں بے چارا محدود تصورِ مساوات پر مبنی ہے۔ آیئے ذرا اس کے قانون پر بھی نظر دوڑاتے چلیں۔ مسلمانوں کے نزدیک افضل البشر، امام الانبیاء ؐ اور آپ کے صحابہؓ کے طرزِ عمل میں ہمیں وسیع تصورِ مساوات کی جھلک نظر آتی ہے۔

غزوہ بدر میں سواریوں کی کمی تھی، لہٰذا سب اپنی اپنی باری پر سوار ہوتے اور پیدل چلتے۔ نبی اکرم ﷺ علی رضی اللہ عنہ اور مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہی سواری تھی جس پر باری باری تینوں سواری کرتے اور اس باری میں امام الانبیاء بھی اس طرح شریک تھے جس طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

آیئے! ذرا ذمیوں کے حقوقِ مساوات کے متعلق بھی ایک مثال سن لیجئے جو اسٹیفن صاحب کے خیال میں اسلامی مملکت میں کمتر بن کر رہ جاتے ہیں اور حقوق سے محروم

کر دیئے جاتے ہیں۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک ذمی یہودی اور علی رضی اللہ عنہ فریقین مقدمہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوئے۔ فریقین مقدمہ میں سے ایک داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تربیت یافتہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کی صداقت پر شبہ کرنا ممکن ہی نہ تھا لیکن گواہوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے فیصلہ اس ذمی کے حق میں ہو گیا۔ کیا برطانوی انگریز اس طرح کی مثال پیش کر سکتے ہیں؟

روزنامہ جنگ ۲۱ فروری ۱۹۹۴ء کی خبر کے مطابق برطانیہ کی ملکہ نہ صرف اپنے کتوں کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانا پسند کرتی ہیں بلکہ انہیں چاندی کی طشتریوں میں کھلایا جاتا ہے۔ محل کے ایک محافظ کے مطابق ایک نوکر پکے ہوئے گوشت بسکٹ اور شوربے کی ڈش لے کر آتا ہے اور ملکہ اپنے ہاتھ سے ہر کتے کے لئے کھانا ملاتی ہیں اور اس کے لئے چاندی کے چمچے اور کانٹے استعمال کئے جاتے ہیں۔

مسٹر اسٹیفن کی تو ملکہ کے کتے بھی عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن کیا ان کے ملک کے دیگر افراد بھی سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ یقیناً ان کا جواب نفی میں ہوگا۔

جناب عطاء الحق قاسمی اپنے سفرنامے ''گوروں کے دیس میں'' لکھتے ہیں کہ برطانیہ میں بھی بھکاری نسل ہر جگہ ہاتھوں میں ہیٹ لئے فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر نظر آتی ہے جو برطانیہ کی معاشی بدحالی کے علاوہ اس کی ذاتی ہڈحرامی کی پیداوار بھی ہے۔

(نوائے وقت میگزین، ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء)

قانونِ مساوات کے مدعیین ذرا خلیفۂ ثانی کی بھی ایک مثال سنتے چلیں: عمر فاروق رضی اللہ عنہ عموماً جو کی روٹی کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ساتھ زیتون کا تیل بھی رکھا گیا تو آپ نے فرمایا ''کیا مدینہ کے تمام باشندوں کو یہ کھانا میسر ہے؟'' یہ کہتے ہوئے زیتون واپس بھجوا دیا

اور صرف جو کے بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی پر اکتفاء فرمایا۔ آج کل کے تو عام آدمی کے حلق سے بھی جو کی روٹی نیچے نہ اترے۔

مذکورہ بالا واقعہ مسلمانوں کی تنگ دستی کے دور کا ہے۔ چند سالوں کے بعد جب فتوحات کی وجہ سے خوشحالی ہوگئی تب بھی خلیفۂ ثانی کی غذا میں کوئی فرق آیا نہ تبدیلی پیدا ہوئی۔

سعودی عرب پر اعتراض بجا! لیکن وہاں اللہ تعالیٰ کے قوانین کے نفاذ کی برکت سے بھکاریوں کا وجود بھی اسی طرح ناپید ہے جس طرح چودہ سو سال قبل مدینہ منورہ میں ڈھونڈنے سے بھی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔

حقِ اخفائے مراسلت:

ہر شہری کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی مراسلت خفیہ رکھے۔ اس ضمن میں صرف مراسلت ہی شامل نہیں، تار اور ٹیلی فون بھی شامل ہیں، اسلام نے اس ضمن میں واضح احکامات دیئے ہیں مگر مغربی طرزِ حکومت اور معاشرت کی ''برکت'' سے آج مغرب کے حلقۂ اثر میں شامل ممالک میں کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کی کسی کے ساتھ کی ہوئی مراسلت واقعی خفیہ رہ سکے گی خواہ وہ بالکل ہی بے ضرر کیوں نہ ہو۔

ان حقوق کے علاوہ اسلامی قوانین میں حقوقِ والدین، حقوقِ اولاد، حقوقِ قرابت اور حقوقِ ہمسائیگی وغیرہ ایسے حقوق ہیں جن کا تصور مغربی معاشرے میں نہیں پایا جاتا۔

اسلام تو والدین کے مشرک و غیر مسلم ہونے کی صورت میں بھی ان سے حسنِ سلوک کرنے اور معصیت کے علاوہ ان کی ہر طرح فرماں برداری کرنے یہاں تک کہ ان کی کسی بات پر جھنجھلا کر ''اف'' ! تک نہ کہنے کا حکم دیتا ہے لیکن جناب اسٹیفن صاحب کی تہذیب تو والدین کی عمر ذرا ڈھلتے ہی انہیں ''اولڈ سیلیز ہوم'' میں پھینک آتی ہے۔ کرسمس یا دیگر تقریبات پر صرف کارڈ یا تحائف بھیج دینے سے حقوق تو ادا نہیں ہو جاتے؟

اسٹیفن صاحب کے معاشرے میں اولاد کے حقوق کا بھی کوئی واضح تصور نہیں ملتا، بچے ماں باپ کی شفقت سے محروم نرسریوں میں کسی نہ کسی طرح پل تو جاتے ہیں لیکن ذرا بڑے ہونے پر انہیں بغیر راہنمائی دیئے زندگی کے میدانِ کارزار میں جانوروں کی طرح دھکیل دیا جاتا ہے۔

مغربی ممالک میں تو اولاد کا قتل بھی بہت عام ہے، مزید یہ ہے کہ ایسے قتل کے ملزم کو بسا اوقات سزا بھی نہیں دی جاتی۔

مثال کے طور پر فرانس کے شہر LOIRE کی عدالت میں دو لڑکیاں اپنے بچوں کے قتل کے الزام میں پیش ہوئیں اور دونوں بری کر دی گئیں۔ ان میں سے ایک لڑکی نے اپنے بچے کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا تھا، عدالت کی نظر میں اس کا یہ جرم قابلِ معافی تھا، دوسری لڑکی نے اپنے بچے کو گلا گھونٹ کر مار، اگلا گھونٹنے پر بھی جب اس میں جان باقی رہ گئی تو دیوار پر مار کر اس کا سر پھوڑ دیا۔ (پردہ۔ مولانا مودودیؒ صفحہ ۹۸)

اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق کی بھی بہت اہمیت ہے۔ اس سلسلے میں بھی دیگر حقوق کی طرح مسلم و غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے ایک بکری ذبح کی۔ گھر آتے ہی آپ نے پوچھا "ہمارے یہودی ہمسائے کو بھی کچھ بھیجا ہے۔" آپ نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا پھر کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ جبریلؑ "مجھے ہمسایہ کے بارے میں اتنی تاکید کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اسے ورثہ میں بھی حق دار ٹھہرا دیں گے۔ (صحیح بخاری)

اس کے برعکس مغربی معاشرے کی تقلید کے دیگر بیشتر ثمرات کی طرح ہمارے معاشرے میں بھی یہ بات آ گئی ہے کہ بعض اوقات برابر کے گھر کے ہمسائے سے تعارف بھی نہیں ہوتا۔ اسلام میں تو ہمسائیوں کے حقوق چالیس گھروں تک محیط ہیں مگر یورپ میں

حقوقِ ہمسائیگی کا کوئی واضح تصور نہیں۔ اخبارات کی ایک خبر کے مطابق ایک خاتون اپنے گھر میں تنہا رہتی تھی وہ مرگئی تو کئی دن اس کے ہمسائیوں کو بھی اس کے مرنے کا علم نہ ہوا، بالآخر دودھ والے نے نوٹ کیا کہ یہ اتنے دنوں سے دودھ کی بوتل کیوں نہیں دروازے کے سامنے سے اٹھائی جارہی، پتہ چلنے پر دروازہ توڑ کر اس کی لاش نکالی گئی جو گل سڑ چکی تھی۔

اگر اسٹیفن جونز صاحب واقعی ان احکام سے لاعلم ہیں تو ان کی یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے۔

موجودہ مسلم ممالک میں غیر مسلم اقلیتیں:

اسٹیفن صاحب کو تو موجودہ اسلامی ممالک میں اپنے ہم مذہبوں کو ملے ہوئے حقوق کی تفصیلات کا علم بھی نہیں، تبھی تو انہوں نے اعتراض کیا ہے کہ کسی بھی مسلم ملک میں غیر مسلموں کو تبلیغ کا حق حاصل نہیں۔ اسلام دراصل حفاظتِ تہذیب وتمدن کے حق کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ وہ کسی طرح بھی اپنی تہذیب میں دیگر نظریات کی آمیزش کی اجازت نہیں دیتا۔

نازک بہت ہے عشق ومحبت کا آئینہ
سایہ پڑے بھی غیر کا اس پر تو ٹوٹ جائے

اس کے ساتھ ہی وہ غیر مسلموں کے بھی اس حق کا تحفظ کرتا ہے۔ اسی لئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کو اپنے عہدِ خلافت میں اپنا قدیم لباس ہی پہننے کا حکم دیا جو وہ عرصہ دراز سے پہنتے چلے آرہے تھے۔[1]

---

(۱) یہ ایک اصول ہے کہ مفتوح قومیں فاتح قوم کی روایات اپنانا پسند کرتی ہیں اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ذمیوں کو مسلمانوں کا لباس پہننے کی اجازت دیتے تو دونوں تہذیبوں کا مستقبل مخدوش ہو جاتا۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج غیر مسلم بڑی ہی دیدہ دلیری سے ہمارے ہی ممالک میں ہمارے دین اور تمدن کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں اور اسٹیفن صاحب کا کہنا ہے کہ "یہ بات درست ہے کہ ماضی میں مسلم ریاستوں میں غیر مسلموں کے ساتھ عیسائی ریاستوں میں غیر عیسائیوں کی نسبت اچھا سلوک ہوتا رہا ہے لیکن محض ماضی کی مثالوں سے دل نہیں بہلایا جا سکتا ہم لوگ ماضی کی ان رسموں کو کافی حد تک بھلا چکے ہیں۔

اسٹیفن جونز صاحب شاید ماضی اور حال کے گہرے تعلق سے واقف نہیں، وہ نہیں جانتے کہ زندہ قومیں اپنے شاندار ماضی کو محفوظ رکھتی ہیں اور ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کرتی ہیں، یوں ان کا مستقبل ماضی اور حال کے تانے بانے سے بنا جاتا ہے۔

کہیں یہ اس لئے تو نہیں کہ آپ کے ہم مذہبوں کا ماضی کچھ شاندار نہیں رہا لہٰذا آپ اس سے اغماض برتنا چاہتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل تو کسی طرح مبنی بر انصاف نہیں، لیکن افسوس کہ آپ کے ہم مذہب آج بھی اپنی پرانی پالیسیوں پر ہی گامزن ہیں۔ درج ذیل سطور میں ہم آپ کے مندرجہ ذیل اعتراضات کا جائزہ لیں گے۔

(۱) مسلم ممالک میں عیسائی اقلیتوں کے حقوق

(۲) عیسائی اور دیگر غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے حقوق

(۳) کیا مسلمان واقعی عدم برداشت کی پالیسی پر گامزن ہیں۔

(۴) مسلمان یہ ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ نہ خود زندہ رہو نہ دوسروں کو زندہ رہنے دو۔

جناب اسٹیفن صاحب نے تو شاید مسلمانوں پر حال ہی کی بات کرنے پر پابندی لگا کر بزعم خود انہیں مات دے دی ہے لیکن اپنی اس نادانی میں بھی وہ صاف بچ کر نہیں نکل سکتے، کیوں! آیئے اس کا درج ذیل سطور میں جائزہ لیں۔

"تسلیم ری" صاحب نے ان کے اس اعتراض کا درست جواب دیا ہے کہ پاکستان

میں اقلیتوں کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ پاکستان کے چیف جسٹس ''کارنیلس'' رہے ہیں۔ میں اس پر مزید اضافہ یہ کرنا چاہوں گی کہ ''اسٹیفن'' صاحب شاید یہ جانتے نہیں کہ موجودہ حکومت بھی اقلیتوں کی بیساکھیوں کے سہارے ہی کھڑی ہے۔ اس وقت پاکستان کی وزارتِ بہبودِ آبادی کی کرسی پر بھی ایک عیسائی جے سالک ہی براجمان ہے۔

پاکستان میں غیر مسلموں کی تبلیغی سرگرمیاں بھی پورے زور و شور سے جاری ہیں۔ اس وقت پاکستان کے چاروں صوبوں میں پندرہ بائیبل خط و کتابت کورس جاری ہیں۔ سترہ بڑے ہسپتال موجود ہیں۔ جہاں مریضوں کو باقاعدگی سے تبلیغ کی جاتی ہے۔ اکثر و بیشتر یہ مشنری ادارے ٹیکس کی پابندی سے بھی مستثنیٰ ہیں۔ اس کے علاوہ بھی غیر مسلم اقلیتوں کو بے شمار مراعات حاصل ہیں۔ انڈونیشیاء بھی ایک مسلمان ملک کہلاتا ہے۔ وہاں عیسائی مشنریوں کی تعداد مندرجہ ذیل ہے:

۱۲۱۳۱۹ چرچ اور عیسائی مشنریاں ہیں، ان میں ۶۵۲۷ پادری اور ۲۰۸۹۷ وقتی اور جزوقتی عیسائی مبلغین سرگرمِ عمل ہیں، ان کے علاوہ بھی کئی دیگر عیسائی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں جس میں سے بیس امریکی اور چالیس یورپی ممالک سے تعلق رکھنے والی عیسائی تنظیمیں و ٹیکین عالمی کونسل برائے چرچ اور امریکہ کے مرکزی محکمہ سراغرسانی کی تائید و امداد سے اس مسلم ملک کو عیسائی بنانے میں لگی ہوئی ہیں۔ (صدیقی ٹرسٹ رپورٹ)

نیز انڈونیشاء کی صدر سوہارتو کی حکومت میں آٹھ کلیدی وزارتوں پر پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کلیساؤں کے بارسوخ ارکان فائز ہیں۔ عراق میں بھی جو مسلمانوں کا ملک کہلاتا ہے وزارتِ خارجہ کی کرسی پر مائیکل طارق عزیز ایک عیسائی فرد براجمان ہے۔

نہ معلوم اسٹیفن صاحب کے مغربی ہم مذہبوں نے اپنے ممالک میں کتنے مسلمانوں کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا جب کہ مسلمان ان کے ممالک کی ایک بہت بڑی اقلیت

ہیں، دوسری جانب یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لئے بھی ایک تازیانے سے کم نہیں کہ وہ بغیر انجام کی پرواہ کئے اقلیتوں کے ان کے ناجائز حقوق سے بڑھ کر ناجائز خدمت میں مصروف ہیں۔

غیر مسلم ممالک میں مسلمان اقلیتیں:

آیئے! ذرا غیر مسلموں کے ممالک میں مسلمانوں کی حالت پر بھی مندرجہ ذیل چند ایک مثالوں کے ذریعے نگاہ ڈال لیجئے۔

''البانیہ'' واحد یورپی ریاست ہے جس کی ۳۶۲ مکین آبادی میں ستر فیصد مسلمانوں کی اکثریت ہے، اس کے باوجود وہاں مسلمانوں کو کسی قسم کی مذہبی آزادی میسر نہیں، یہاں تک کہ نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کی بھی مکمل آزادی نہیں۔ گزشتہ سالوں میں دارالحکومت ''تیرانا'' میں ایک مسجد کھولی گئی جہاں پورے تیس سال کے بعد اذان دی گئی۔ یہ مسجد بھی تھوڑی دیر کے لیے ایک مسلمان ملک کے وفد کے اعزاز میں کھولی گئی تھی، اس وقت بھی وہاں کی اکثر مساجد بند ہیں، کئی مساجد کو عجائب خانوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

بوسنیا بھی ایک مسلم اکثریتی ریاست ہے، اس کی کل آبادی ۴۵ لاکھ ہے جس میں سے مسلمان ۴۴ فیصد کے قریب ہیں، سرب ۳۰ فیصد اور کروٹ باشندے ۱۶ فیصد ہیں، اس کے باوجود اس مسلم اکثریتی ریاست میں ''مسٹر اسٹیفن'' کے ہم مذہب مسلمانوں کے تمام حقوق کو کس طرح سبوتاژ کر رہے ہیں اور یورپی ممالک کس عیاری سے ان کے قتل عام میں سرب باشندوں کے ساتھ شریک ہیں، یہ یقیناً موصوف سے بھی مخفی نہیں۔ انہوں نے خود ہی سربوں کی جارحانہ کارروائیوں کا اعتراف کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی نہ جانے وہ کس حوالے سے مسلمانوں پر دوسروں کے متعلق عدم برداشت کا رویہ اپنانے کا الزام لگاتے ہیں، ان کا یہ رویہ باعث حیرت اور ناقابل فہم ہے۔

اگر ہم ایسے تمام ممالک کی مثال دینے لگیں جہاں مسلمانوں کے حقوق غصب کئے جارہے ہیں تو ان کی تعداد بے شمار ہے۔ نائیجیریا، قبرص، ہندوستان، سری لنکا، نیپال، روینگیا، بوسنیا، فلسطین، سوویت یونین کی ازبکستان، چیچنیا، وغیرہ کے متعلق جارحانہ عزائم اور کارروائیاں، فلپائن، اریٹیریا، فرانس، اور اس طرح کئی ممالک اس فہرست میں جگہ لینے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اس پر بھی شاباش ہے آپ اہلِ مغرب کی ہٹ دھرمی پر کہ مسلمانوں کو ''نہ خود زندہ رہیں گے نہ دوسروں کو زندہ رہنے دیں گے'' کا رویہ اپنانے کا اتنی بے شرمی سے الزام دیتے ہیں۔

اس کے برعکس غیر مسلم، مسلمانوں کے ایسے کسی بھی ملک کی نشاندہی نہیں کر سکتے جہاں یوں غیر مسلموں کا قتل عام ہورہا ہو۔ سعودی عرب جس کی آپ نے بات کی ہے، اس کی بھی مثال آپ اس ضمن میں پیش نہیں کرسکتے۔ یہ تاریخی اعزاز غیر مسلموں ہی کو مبارک ہو، مغربی ممالک میں مسلمانوں کے بنیادی حقوق کس طرح غصب ہورہے ہیں، انہیں بھی ہم ''حقوق'' میں مساواتِ مسلم وغیر مسلم کی تفصیل میں بیان کرچکے ہیں۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ یوں فریاد ہم کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

مسلمانوں کی آبادی کے اضافہ کے غم میں بھی آپ کے ہم مذہب و ہم وطن دبلے ہورہے ہیں، مسلمانوں کے اس قتل کے لئے تو کروڑوں روپیہ بڑی عیاری سے ہمدردی کے میٹھے زہر کے ذریعے خرچ کررہے ہیں لیکن اپنے ممالک کی آبادی کے متعلق آپ کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہے، اپنے ہاں تو آپ طرح طرح کے حربوں سے اپنی آبادی بڑھانے کے جتن میں مصروف رہتے ہیں، یوں حقیقت میں آپ اسی پالیسی پر گامزن ہیں کہ ''اپنے

سوا کسی دوسرے کو زندہ نہ رہنے دو بصورت دیگر انہیں اپنا محکوم تو ضرور ہی بنالو۔''

مساواتِ مرد و زن:

مساواتِ مرد و زن کے متعلق ''اسٹیفن'' صاحب نے جو اعتراض کیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسے دوبارہ نقل کر دیں فرماتے ہیں۔

[''مغرب کی ہر غیر مسلم خاتون کو معلوم ہے کہ اسلام اسے مرد کے برابر جگہ نہیں دیتا، اسے ساتویں صدی کے عرب میں عورتوں کو دی جانے والی رعایات سے کسی طرح بھی مطمئن نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی وہ اس بات سے قائل ہوسکتی ہیں کہ مسلمان عورتیں اپنی حالت سے مطمئن ہیں، مغربی عورت یہ جانتی ہے کہ اسلام مردوں کو وہ حقوق دیتا ہے جن سے عورتیں محروم رہتی ہیں۔]

معلوم ہوتا ہے کہ ''مسٹر اسٹیفن'' صاحب کو اسلامی نظریات سے مکمل طور پر واقفیت ہی نہیں ورنہ ایسی شکایت کبھی نہ کرتے۔ مغربی عورتوں کی اکثریت اسلام کی طرف مائل ہورہی ہے اور جو ابھی تک مائل نہیں ہوئیں اس کی وجہ دراصل ان کی قوانینِ اسلامی سے عدمِ واقفیت ہے۔

مسلم و غیر مسلم کے حقوق کے متعلق جو تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے بعینہٖ وہ تمام حقوق عورتوں کو بھی حاصل ہیں بلکہ بعض حقوق کے سلسلے میں عورتوں کو مردوں پر فضیلت دی گئی ہے مثلاً ماں، خالہ، پھوپھی، نانی، دادی، بہن کے حقوق کے سلسلے میں انہیں مردوں کے حقوق پر فضیلت دی گئی، ان کی بات ماننے کو اور ان کی خدمت کرنے کو جہاد جیسے اہم فریضہِ اسلامی پر بھی ترجیح دینے کا حکم دیا گیا۔

ہاں! اسلام ایسی مساوات کے حق میں واقعی نہیں جس میں عورت کے حقوق کے نام پر اسے مزید ذمہ داریوں کی فہرست دکھلا دی جائے وہ تو عورت کے نازک کندھوں پر ذمہ داریوں کا کم سے کم بوجھ رکھنے کا حامی ہے۔ اسلام ایسی مساوات کا بھی حامی نہیں جس میں

عورت کے اپنے حقوق مردوں کے حقوق میں ضم ہو کر رہ جائیں۔ یہاں تفصیل میں جانے کا تو موقع تو نہیں لہٰذا اس ضمن میں ایک دو مثالیں ملاحظہ فرمایئے:۔

مغرب میں عورت غلامی کی اس حد تک خوگر بن چکی ہے کہ وہ اس کی نگاہِ پسندیدگی حاصل کرنے کے لئے اپنا تن، من، دھن، سب کچھ قربان کر کے اس کی خواہشوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ قدیم دور میں ہندوؤں اور قبائلیوں کے ہاں لڑکیاں دیوتاؤں کی خوشنودی کی بھینٹ چڑھائی جاتی تھیں۔ درج ذیل مثالوں پر غور کیجیے اور سوچئے کہ کیا آج کے جدید جاہلیت یافتہ دور اور قدیم جاہلی دور میں کوئی فرق موجود ہے صرف انداز بدل گئے ہیں۔

مولانا مودودیؒ اپنی کتاب ''پردہ'' کے صفحہ ۳۱۰ پر لکھتے ہیں:

''۱۹۳۷ء میں بوڈ ایسٹ کی مشہور ایکٹرس ''جوسی لاباس'' یکا یک حرکتِ قلب بند ہونے کی وجہ سے مرگئی، بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ کئی سال سے قصداً نیم فاقہ کشی کی زندگی بسر کر رہی تھی اور جسم گھٹانے کے لیے ایسٹینٹ دوائیں استعمال کئے جاتی تھی، آخر کار اس کی قوتوں نے یکا یک جواب دے دیا، اس کے بعد ''بوڈ ایسٹ'' ہی میں یکے بعد دیگرے تین ایسے حادثے پیش آئے ''بر یسلی'' جو اپنے حسن و کمالات کی وجہ سے تمام ہنگری میں مشہور تھی اسی ''ہلکے پن'' کے شوق کی نذر ہوئی، پھر ایک مغنیہ ''لوئیسا زابو'' جس کے گانوں کی ہر طرف دھوم تھی ایک رات عین اسٹیج پر اپنا کام کرتی ہوئی ہزار ہا ناظرین کے سامنے غش کھا کر گر پڑی، اس کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اس کا جسم موجودہ زمانے کے معیارِ حسن پر پورا نہیں اترتا، اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے بیچاری نے مصنوعی تدبیریں اختیار کرنی شروع کیں اور دو مہینے میں ۶۰ پونڈ وزن کم کر ڈالا، نتیجہ یہ ہوا کہ دل حد سے زیادہ کمزور ہو گیا اور ایک دن وہ بھی خریدارانِ حسن کی بھینٹ چڑھ کر رہی۔ اس کے بعد ''ایمولا'' نامی ایک اور ایکٹرس کی باری آئی اور اس نے مصنوعی تدبیروں سے اپنے آپ کو اتنا ہلکا کیا کہ

ایک مستقل دماغی مرض میں مبتلا ہوگئی اور اسٹیج کے بجائے اسے پاگل خانے کی راہ لینی پڑی۔ اس قسم کی مشہور شخصیتوں کے واقعات تو اخباروں میں آجاتے ہیں مگر کون جانتا ہے کہ حسن اور معشوقیت کا جنون جو گھر گھر پھیلا ہوا ہے روزانہ کتنی صحتوں اور کتنی زندگیوں کو تباہ کرتا ہوگا؟

کوئی بتائے یہ عورتوں کی آزادی ہے یا ان کی غلامی؟ اس نام نہاد آزادی نے تو ان پر مردوں کی خواہشات کا استبداد اور زیادہ مسلط کر دیا ہے، اس نے تو ان کو ایسا غلام بنایا ہے کہ وہ کھانے پینے اور تندرست رہنے کی آزادی سے بھی محروم ہوگئیں، ان غریبوں کا تو جینا اور مرنا اب بس مردوں ہی کے لئے رہ گیا ہے۔

ہاں تو جناب اسٹیفن صاحب!

آپ کے ہاں تو مساواتِ مرد وزن کے فریب میں کھوئی ہوئی عورت کھانے پینے سے بھی ہاتھ روک لیتی ہے مگر ہمارے ''اسلامی تنگ نظر'' اور مرد وعورت میں عدم مساوات کے حامل معاشرے میں عورت مرد کے لئے فاقے نہیں کرتی بلکہ مرد عورت ہی کے لئے ایک روپ یعنی ماں کی خاطر دودھ لے کر بھوکا پیاسا ساری رات سوئی ہوئی ماں کے سرہانے اس لئے کھڑا رہتا ہے کہ ماں کو نیند سے جگانا بھی مناسب نہیں اور ماں کو دودھ پلائے بغیر خود سونا بھی خلافِ ادب ہے۔

ہمارے اس ''تنگ نظر'' معاشرے میں آج بھی بے شمار مرد بسوں میں کھڑی ہوئی خواتین کے لئے اپنی سیٹ چھوڑ دیتے ہیں، آپ کی عورت تو مساوات کے چکر میں اس حق سے بھی محروم ہوگئی۔ آپ کے ہاں مساوات کا نعرہ تو بڑے زور شور سے لگایا جاتا ہے لیکن برائے مہربانی ذرا اپنے معاشرے پہ خود بھی تو غور کیجئے۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کیا یہ حقیقت نہیں کہ آپ کے مغربی ممالک میں عورتوں اور مردوں کی تنخواہوں میں خاصہ تفاوت موجود ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ آپ کے ہاں ابھی تک عورت کو بے وقوف بنانے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، ملاحظہ فرمایئے اخبار کی یہ رپورٹ:

''حال ہی میں امریکہ میں کئے جانے والے ایک سروے کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ دکاندار خواتین سے اضافی قیمتیں وصول کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہیئر ڈریسرز ڈرائی کلینرز اور گاڑیوں والے ڈیلرز سے سروے کیا گیا ہے، یہ تینوں دونوں ہاتھوں سے خواتین کو لوٹ رہے ہیں، صرف نیو یارک کے ایک محتاط اندازے کے مطابق خواتین 1 ملین سے 2 ملین امریکی ڈالرز ڈرائی کلینگ کے اضافی چارجز دیتی ہیں، آپ خود اندازہ کریں کہ پورے ملک میں صورتحال کیا ہوگی؟ آٹو کار کے ڈیلروں سے کئے گئے سروے کے مطابق ۲۱ ڈیلروں نے مردوں کے مقابلے میں عورتوں سے زیادہ قیمتیں مانگیں، ۸۰ ہیئر ڈریسرز سے سروے کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ دو تہائی ہیئر ڈریسرز عورتوں سے ۲۵ فیصد زیادہ چارجز لیتے ہیں، عورتیں اوسطاً ۲۰ امریکی ڈالر دیتی ہیں جب کہ مرد ۱۶ امریکی ڈالرز، ڈرائی کلینگ کی ایک دکان پر ایک شرٹ کا عورتوں سے ۳۹۲۹ ڈالر جب کہ مردوں سے ۲۴۹۱ ڈالر لئے جاتے ہیں۔ (روزنامہ جنگ، جمعہ میگزین، ۳۰ اپریل ۱۹۹۳)

آنکھیں کھولنے کے لئے اتنی مثالیں ہی کافی ہیں، اگر آپ واقعی مسلمانوں سے ہمدردی میں مخلص ہیں جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں ظاہر کیا ہے تو ہماری بھی آپ کے لئے پر خلوص رائے یہی ہے کہ آپ اپنے ہم مذہبوں یا اسلام پر اعتراض کرنے والے دیگر معترضین کے سنے سنائے اعتراضات کو طوطے کی طرح دہرانے کی بجائے خود دین اسلام کے اصل ماخذ ''قرآن وحدیث'' کی طرف تعصب کی عینک اتار کر براہ راست رجوع کیجیے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ دینِ اسلام ہی وہ واحد دینِ فطرت ہے جو عورت کو اس کا اصلی مقام اور حقوق دیتا ہے۔ اسلام میں مرد کی حاکمیت کے نظریئے کو بھی اگر تعصب کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں مرد کو عورت پر حاکمانہ نہیں ناظمانہ حقوق حاصل ہیں۔ جب کسی سلطنت کے امور طے کرنے کے لئے کسی صدر یا وزیر اعظم کا ہونا لازمی ہوتا ہے جس کے حکم کی تعمیل سلطنت میں انتشار پھیلنے سے بچنے کے لئے لازمی ہوتی ہے تو پھر گھر جیسی اہم چھوٹی سی سلطنت میں بھی تو اس عہدے پر کسی نہ کسی کا فائز ہونا لازمی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عورت کو ''ربتہ البیت'' یعنی گھر کی مالکہ بھی کہا گیا ہے جس کا اصل مفہوم وسیع معانی پر مشتمل ہے۔

اسلام میں عورت اپنے ہر روپ میں قابلِ عزت واحترام ٹھہرتی ہے۔ اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری ہر صورت میں مرد پر ورنہ حکومت پر عائد ہوتی ہے اور یوں وہ موجودہ دور کی طرح معاشی وسائل پورے کرنے کے لئے سڑکوں کی خاک چھاننے سے محفوظ رہتی ہے۔

رشدی کا معاملہ:

[مغرب میں اسلام دشمنی کی وجہ خود مسلمان ہیں جو ظاہری طور پر یہ ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ وہ نہ خو زندہ رہنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو زندہ رہنے دیں گے، اگر ہم رشدی کی مثال لیں تو اسے توہین اسلام کا ملزم ٹھہرانا آپ کا کام ہے، ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں لیکن اگر آپ اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی ہمارے ملک میں تو پھر اس سے اسلام کے خلاف لوگوں کی نفرت بڑھے گی اور بڑھنی بھی چاہیے]

معترض کے اعتراض کے پہلے جز کا جواب تو غیر مسلم ممالک میں ''مسلمان اقلیتیں'' کے عنوان کے تحت دیا جا چکا ہے، یہاں ہم رشدی کے معاملے کا جائزہ لیں گے۔ مغرب کے لوگوں نے اس مسئلہ پر بے شمار پہلوؤں کے حوالے سے اعتراض کئے ہیں، ہم اس کیس کو مغربی طرزِ عمل کے حوالے سے ہی حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ پانچ چھ ماہ قبل اپنے

کسی کیس میں مطلوب ملزم یوسف رمزی کو امریکہ نے پاکستان سے اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا، جلد ہی اسے گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کر دیا گیا، اس کا مقدمہ امریکی عدالت میں چلا، امریکی قانون کے تحت سزا دی گئی، یاد رہے یوسف رمزی پاکستانی باشندہ تھا۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو: کراچی میں امریکی سفارتخانے کے دو افراد قتل ہو گئے، ان کے ملزمان کو بھی گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کر دیا گیا، ان پر بھی مقدمہ امریکی عدالت نے اپنا ملزم سمجھ کر اپنے قانون کے تحت ہی چلایا۔

اسٹیفن جونز کو یہ اعتراض ہے کہ رشدی کو ملزم ٹھہرانا آپ کا کام ہے، ہمارا اس سے کیا واسطہ ہم ان سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اگر مغرب اپنے ملزموں کا پاکستان سے مطالبہ کر کے ان کا مقدمہ اپنی عدالتوں میں چلا سکتا ہے تو پھر سلمان رشدی کو ملزم سمجھ کر ہم اس کو سزا دینے کے لئے اس کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب کیوں نہیں؟

لیکن..........

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

لہٰذا مطعون بھی مسلمانوں ہی کو کیا جاتا ہے۔ اسلام ایک آفاقی دین ہے، جغرافیائی حدود و قیود کا پابند نہیں۔ ''رشدی'' اور تسلیمہ نسرین تمام عالمِ اسلام کے عزت و وقار پر حملہ کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں لہٰذا عالمِ اسلام ان کو سزا کے لیے مانگنے میں حق بجانب اور مغرب ان کو تحفظ مہیا کرنے میں زیادتی کے جرم کا مرتکب ہوا ہے۔

آپ کے ہاں گھر بیٹھے جج کو بھی کچھ کہنے سے توہینِ عدالت کا جرم ہو جاتا ہے ملکہ برطانیہ بھی آپ کے قانون کے مطابق معصوم اور رہنماؤں ہی کے لیے محدود ہیں، مسلمانوں کے دین کی توہین ہو تو آپ کو اظہارِ خیال اور آزادیِ رائے کا حق یاد آنے

لگتا ہے لیکن آپ کے اپنے ہم مذہبوں کے معاملے میں ایسا کیوں نہیں ہوتا؟

ملاحظہ ہو یہ خبر!

''فلم پروڈیوسر اور ڈائریکٹر مسٹر ''مچل ونز'' نے اخبارات کے خلاف ہرجانہ اور مقدمہ کا خرچہ لندن میں جیت لیا ہے مسٹر مچل کے خلاف ایک سال قبل نیوز آف دی ورلڈ نے ایک گندہ مضمون شائع کیا تھا۔ مسٹر مچل نے ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر کے عدالت سے اس مقدمہ کو جیت لیا کیونکہ اخبارات نے ان کے خلاف غلط بیانی کی تھی۔

(مانچسٹر ایوننگ نیوز ۲۳ فروری ۸۹ء)

مسلمانوں کا دین تو غیر مسلموں کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے بھی منع کرتا ہے لیکن آپ کے مغربی ممالک میں مسلمانوں کے دین کا کوئی تحفظ ہی نہیں۔ پہلے ہی مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے مختلف حربے اختیار کئے جا رہے ہیں۔ ۸۹ء میں مانچسٹر کے کئی مسلمان گھروں کو دھمکی آمیز گم نام خط ملے جن میں رشدی کی مخالفت ترک کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ مختلف اسلامی دفاتر پر حملہ لندن کی سب سے بڑی ایجنٹ پارک کی مسجد (جس کا حوالہ آپ نے بھی خاص طور پر اپنے مضمون میں دیا ہے) پر پٹرول بم کے ذریعے ۲۲ فروری ۱۹۸۹ء کو حملہ اسی سلسلے کی کڑیاں تو ہیں۔ کیا یہ بھی ایک حقیقت نہیں کہ آپ کی گورنمنٹ نے ۱۹۸۱ء میں رشدی کو اس کی خدمات کے صلے میں ''بوکر'' ایوارڈ دیا، اس کی رسوائے زمانہ کتاب کی اشاعت کے بعد یہ ایوارڈ اسے دوبارہ دیا گیا۔

۱۹۸۹ء میں ہی میں رشدی کو معتدل اور احتجاج کرنے والوں کو ناپسند قرار دینے والے مصری ادیب محفوظ مصری کو آخر کن خدمات کے صلے میں نوبل انعام سے نوازا گیا جب کہ وہ اپنی تحریروں میں جی کھول کر اسلام کی تحقیر کرتا ہے۔ جامعہ ازہر نے اسی لئے اس کی تصنیفات پر پابندی لگا دی ہے۔

اگر واقعی آپ کے ہم وطن وہم مذہب وسیع نظریہِ مساوات کے علمبردار ہیں تو یہ بات ان کے لئے چیلینج کی حیثیت رکھتی ہے کہ جس طرح وہ اپنے ملزمان کو مشرقی ممالک سے بلا کر ان پر اپنی عدالتوں میں مقدمہ چلا کر ان کو سزا دیتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کے ملزمان کو بھی گرفتار کر کے ان کے حوالے کر دے۔ تسلیمہ نسرین کے ہم وطن بنگلہ دیشی مسلمان آج بھی اس دریدہ دہن، زہریلی زبان اور قلم کی مالک خاتون اسے ہتکِ دین کا بدلہ لینے کے لئے بیتاب ہیں، تسلیمہ نسرین اور رشدی دونوں تمام عالم اسلام کے ملزم اور مشرقی باشندے ہیں۔

مزید برآں یہ کہ اگر واقعی ان کے ہاں اقلیتوں کو مکمل حقوق دیئے جاتے ہیں اور مسلم وغیر مسلم باشندوں میں مساوات بری جاتی ہے تو انہیں چاہیے کہ جہاں انہوں نے مخالفینِ اسلام کو اتنے ایوارڈ دیئے ہیں وہاں کچھ ایوارڈ ''احمد دیدات'' جیسے مسلمانوں کو بھی دیں تاکہ ان کی مساوات کا عملی نمونہ ملے۔

مغرب کے لئے اپنی وسعتِ نظری پر مشتمل مساوات کا ثبوت دینے کا بہت اچھا موقع ہے۔ ''اکانومسٹ آف لندن'' کے متعلق یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ یہ باوقار جریدہِ پاکستان کے پس منظر میں مغرب اسلام تعلقات کے متعلق گاہے بگاہے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے رہتا ہے''۔

اس لیے اس کے ایڈیٹر مسٹر ''اسٹیفن جونز'' صاحب سے درخواست ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر اعتراض سے پہلے اپنے ملک میں مسلمانوں کو دیئے گئے حقوق کا بغور مطالعہ کریں، جہاں مسلمانوں کی مساجد میں بموں کے دھماکے اور مسلمان تنظیموں کو دھمکی آمیز فون وغیرہ معمول بن چکے ہیں۔ ''اسٹیفن'' صاحب کو غالباً ایجنٹ پارک کی عالیشان مسجد کا علم تو ہے لیکن اس میں ہونے والے بموں کے دھماکے ان کے علم میں نہیں۔

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

نیز:

کسی چیز پر اعتراض سے قبل اس کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنا چاہئیں، جو اس کے بنیادی علوم سے واقفیت حاصل کر کے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ اسلام کے بنیادی علوم ''قرآن وحدیث'' ہر ایک کو غور وفکر کی دعوت دے رہے ہیں، سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے رائے قائم کرنا جس طرح غیر معقول فعل کہلاتا ہے اسی طرح دین اسلام کی مکمل تعلیمات کو خود پڑھے اور سمجھے بغیر رائے قائم کرنا بھی غیر معقول ہی کہلائے گا۔

مریم خنساء

مغرب اور پاکستان

زیرِ نظر مجموعہ مصنفہ نے کسی مرتب کتاب کی صورت میں نہیں لکھا تھا بلکہ یہ مختلف اوقات میں لکھے گئے مضامین ہیں۔

اصل بات یہ ہے مصنفہ کی باغیرت افتادِ طابع اسے کسی غیر اسلامی فعل، جملے یا غیر مسلم کے طرزِ عمل پر اس قدر بے قرار کر دیتی کہ اسے قلم تھامنا پڑتا۔ اس کے ایسے ہی بہت سے سیاسی اور معاشرتی موضوعات سے متعلق مضامین اور انشائیے مثلاً ''لاشوں پر رقص'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں گو اس مجموعے میں بھی سیاسی مضامین شامل ہیں لیکن وہ مختصر ہیں جب کہ زیرِ نظر مجموعے میں اس کے بعض طویل اور ایسے اہم سیاسی موضوعات پر مضامین شامل ہیں جن کا تعلق اسلام، پاکستان اور مغرب سے ہے اس مجموعے کا نام مصنفہ کی دینی خالہ فرزانہ چیمہ صاحبہ نے تجویز کیا ہے اور ترتیب و تسوید میں بھی ان کا تعاون شامل رہا ہے بارک اللہ فی مالہا و اولادھا۔

ان میں سے پہلی تحریر ''پاکستان ایک تجربہ گاہ ہے'' جو مصنفہ نے 1994ء میں تقریباً چودہ پندرہ سال کی عمر میں لکھی اور سب سے آخری تحریر ''جہاد سنام العمل'' مارچ 1999ء میں لکھی اللہ سے دعا ہے کہ وہ اسے مصنفہ، مرتبہ، ناشر، اور دیگر معاونین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

ناشر: دار الکتب السلفیۃ ○ شیش محل روڈ لاہور